سورۃ الاحزاب

ایاتہا ۷۳ ﴿۳۳ سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۰﴾ رکوعاتہا ۹

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے۔ یہ سورت منافقوں، جو وہ رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں دیتے، آپ پر طعن کرتے اور آپ کے نکاح کرنے وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ تہتر آیات ہیں۔ یہ سورت، سورۂ بقرہ کے برابر تھی اس میں آیت رجم تھی الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔

حضرت ابی بن کعب سے ابوبکر انباری نے اسے ذکر کیا ہے۔ اہل علم اسے اس پر محمول کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب سے بڑھ کر اپنی طرف اٹھالیا ہے جس قدر یہ ہمارے پاس موجود ہے۔ آیت رجم کے الفاظ اٹھا لیے گئے۔ احمد بن ہیثم بن خالد، ابوعبید قاسم بن سلام سے وہ ابن ابی مریم سے وہ ابن لہیعہ سے وہ ابوالاسود سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ”سورۂ احزاب نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دو سو آیات کے برابر تھی جب مصحف کی کتابت کی گئی تو اس پر قدرت ہوئی جو اس وقت موجود ہے“۔ ابوبکر نے کہا: حضرت ام المومنین کے قول کا معنی یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب سے اس سے زائد اٹھالیا جتنی اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ نسخ کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔ سورۃ البقرہ میں بحث مفصل گزر چکی ہے۔ زر نے روایت کی ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے مجھے کہا: تم سورۃ الاحزاب کی کتنی آیات شمار کرتے ہو؟ میں نے عرض کی: تہتر آیات۔ کہا: اس ذات کی قسم جس کے ساتھ ابی قسم اٹھاتا ہے یہ سورۂ بقرہ کی مثل تھی یا اس سے طویل تھی۔ ہم نے اس میں سے آیت رجم کی قراءت کی: الشیخ والشیخوخۃ اذا زنیا فارجوھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ حضرت ابی نے ارادہ کیا کہ یہ بھی ان میں سے ہے جسے قرآن سے منسوخ کر دیا گیا ہے، جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ وہ زیادہ حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا اور ایک بکری کھا گئی تھی تو یہ بے دینوں اور رافضیوں کی اختراع ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ۝۱

”اے نبی (مکرم!) حسب سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے اور نہ کہنا مانیے کفار اور منافقین کا بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے“۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ ای کے کلمہ کو ملایا گیا کیونکہ منادی مفرد ہے اور تنبیہ ای کو لازم ہے لفظ النَّبِيُّ نحویوں کے نزدیک

اس کی صفت ہے مگر اخفش کے نزدیک صفت نہیں، کیونکہ وہ کہتا ہے: یہ ای کا صلہ ہے۔ مکی نے کہا: کلام عرب میں یہ معروف نہیں کہ اسم مفرد کسی شے کا صلہ ہو۔ نحاس نے کہا: اکثر نحویوں کے نزدیک یہ غلط ہے کیونکہ صلہ جملہ ہوا کرتا ہے۔ اس نے جو کہا اس کی صحت کے لیے یہ حیلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ نعت لازم ہے اسے صلہ کا نام دیا گیا۔ کوئی نکرہ کی نعت کو صلہ کا نام دیتے ہیں۔ اکثر نحویوں کے نزدیک محل کا اعتبار کرتے ہوئے نصب دینا جائز نہیں۔ مازنی نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اس نے اسے تیرے اس قول کی طرح بنایا ہے: یازید الظریف زید کے محل کا اعتبار کرتے ہوئے الظریف کو نصب دی۔ مکی نے کہا: یہ ایسی نعت ہے جس سے موصوف غنی ہوتا ہے اور ای کی نعت سے موصوف غنی نہیں ہوتا اس وجہ سے محل کا اعتبار کرتے ہوئے اسے نصب دینا جائز نہیں ہوتا۔ نیز یہ بھی ہے کہ ای کی نعت معنی میں منادی ہوا کرتی ہے اس وجہ سے اسے نصب دینا جائز نہیں۔ یہ روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی آپ پسند کرتے تھے کہ یہودی اسلام قبول کر لیں۔ وہ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے نفاق کی صورت میں آپ کی اتباع کی۔ آپ ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے ان کے چھوٹے بڑے کی تعظیم کرتے جب ان میں سے کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی تو آپ ان سے درگزر فرماتے، آپ ان کی باتیں سنتے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابی جہل، ابوالاعور بن سفیان کے حق میں نازل ہوئی جس کا ذکر واحدی، قشیری، ثعلبی، ماوردی وغیرہ نے کیا۔ یہ غزوہ احد کے بعد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس آئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امان دی تھی کہ وہ بات چیت کر لیں۔ ان کے ساتھ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور طعمہ بن ابیرق بھی آیا۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جب کہ آپ کے پاس حضرت عمر بن خطاب موجود تھے: ہمارے معبودوں لات، عزی اور مناۃ کا ذکر چھوڑ دیں اور یہ کہ وہ جو ان کی عبادت کرے یہ ان کی شفاعت کریں گے اور ان کا دفاع کریں گے، ہم تجھے اور تیرے رب کو چھوڑتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا شاق گزرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ان کے قتل کی اجازت دیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں نے انہیں امان دی ہوئی ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کے غضب کے ساتھ نکل جاؤ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ طیبہ سے نکال دیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈریئے۔ **وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ** اہل مکہ کے کافروں کی اطاعت نہ کیجئے۔ یہاں کافروں سے مراد ابوسفیان، ابواعور اور عکرمہ ہیں۔ **وَ الْمُنٰفِقِیْنَ** اہل مدینہ کے منافق مراد عبداللہ بن ابی، طعمہ اور عبداللہ بن ابی سرح ہیں۔ ان تمام امور میں ان کی بات نہ مانیے جس سے آپ کو منع کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف مائل نہ ہوں۔ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا** اللہ تعالیٰ ان کے کفر کو جانتا ہے اور ان کے ساتھ جو بھی معاملہ کرتا ہے اس میں حکیم ہے۔ زمخشری نے کہا: یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابی جہل اور ابواعور السلمی اس دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جو باہم صلح کا دور تھا۔ ان کے ساتھ عبداللہ بن ابی، معتب بن قشیر اور جد بن قیس بھی حاضر ہوئے۔ انہوں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: ہمارے معبودوں کا ذکر کرنا چھوڑ دیجئے۔ اور پھر ماقبل روایت کے ہم معنی روایت ذکر کی۔ آیت اس عہد و پیمان کو توڑنے کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ مراد مکہ مکرمہ کے کافر ہیں۔ وَالْمُنٰفِقِيْنَ مراد اہل مدینہ کے منافق ہیں۔ ان امور میں ان کی بات نہ مانیے جن کا انہوں نے مطالبہ کیا ہے۔ یہ روایت کی گئی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی کہ وہ اپنا دین چھوڑ دیں۔ وہ اپنے اموال کا ایک حصہ آپ کو دے دیں گے۔ شیبہ بن ربیعہ اپنی بیٹی کا رشتہ آپ کو دے دے گا۔ مدینہ کے منافقوں نے آپ کو ڈرایا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دین سے رجوع نہ کیا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں گے، تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ نحاس نے کہا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا سے یہ دلیل ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف مائل تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا تھا، یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ آپ کے ان کی طرف میلان میں کوئی منفعت ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے منع نہ کرتا کیونکہ وہ حکیم ہے، پھر یہ کہا گیا: خطاب آپ کو اور آپ کی امت کو ہے۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

”اور پیروی کرتے رہیے جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف اپنے رب کی جانب سے یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے (اور اے محبوب!) بھروسہ رکھیے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز“۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ مراد قرآن حکیم ہے اس میں جاہلیت کے مراسم کی اتباع سے جھڑکنا ہے اور ان سے جہاد کرنے اور لاتعلق ہونے کا حکم ہے اس میں ایسی دلیل موجود ہے کہ اس کی موجودگی میں رائے کی اتباع کو ترک کر دیا جائے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کو ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا عام قراءت خطاب کی تاء کے ساتھ ہے؛ یہ ابوعبید اور ابوحاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ سلمی، ابوعمرو اور ابن ابی اسحاق کی قراءت یعملون ہے یعنی یہ غائب کا صیغہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ (الفتح) میں ہے۔

وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے وہی تیرا دفاع کرے گا اور جو آدمی تیرا ساتھ چھوڑ جائے وہ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا، وکیل کا معنی نگہبان ہے۔ اہل شام کے ایک شیخ نے کہا: بنوثقیف کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ایک سال تک لات سے انہیں متمتع ہونے دیں یہی وہ طاغیہ ہے جس کی بنوثقیف عبادت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کی: تا کہ قریش ہمارے اس مقام و مرتبہ کو جان لیں جو ہمارا آپ کے ہاں ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ارادہ کر لیا، تو یہ آیت نازل ہوئی یعنی آپ جن

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 430
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 519

باتوں میں خوف کھاتے ہیں ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کافی ہے۔ بِاللّٰهِ محل رفع میں ہے کیونکہ یہ فاعل ہے وَكِيْلًا یہ بیان اور حال کے طریقہ پر منصوب ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④

”نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لیے دو دل اس کے شکم میں اور نہیں بنایا اس نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ تو سچی بات کہتا ہے اور وہ ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی“۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت قریش کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی، اس کی ذہانت کی وجہ سے اسے ذاالقلبین (دو دلوں والا) کہا جاتا۔ وہ خود بھی کہتا: میرے پیٹ میں دو دل ہیں ان دونوں میں سے ہر ایک سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل سے بہتر سمجھتا ہوں۔ کہا: وہ فہر قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ واحدی، قشیری وغیرہما نے کہا: یہ آیت جمیل بن معمر فہری کے بارے میں نازل ہوئی وہ جو سنتا اسے یاد کر لیتا۔ قریش نے کہا: وہ اشیاء کو یاد نہیں رکھتا مگر اس کے دو دل ہیں۔ وہ کہتا: میرے دو دل ہیں میں ان دونوں کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھ بوجھ سے بہتر سمجھ بوجھ رکھتا ہوں۔ جب غزوہ بدر کے موقع پر مشرکوں کو شکست ہوئی ان کے ساتھ جمیل بن معمر بھی تھا ابوسفیان نے اسے اونٹوں کے قافلہ میں دیکھا جب کہ وہ ایک جوتا اپنے ایک ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا اور دوسرا جوتا اس کے پاؤں میں تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا: لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: لوگ بھاگ گئے ہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا: کیا وجہ ہے تیرا ایک جوتا تیرے ایک ہاتھ میں اور دوسرا جوتا تیرے پاؤں میں ہے؟ اس نے کہا: میں نے یہی خیال کیا کہ یہ دونوں میرے پاؤں میں ہیں۔ لوگوں کو اس روز پتہ چلا اگر اس کے دو دل ہوتے تو وہ اپنا جوتا اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بھولا نہ ہوتا(1)۔ سہیلی نے کہا: جمیل بن معمر جمحی یہ ابن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح تھا جمح کا نام تیم تھا اس کو ذوالقلبین کہا جاتا اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ اس کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

وکیف ثوائی بالمدینۃ بعدما ۔ قضی وطرًا منھا جَمِیلُ بن معمر

مدینہ میں میرا ٹھکانہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ جمیل بن معمر اپنا مطلب حاصل کر چکا ہے۔

میں نے کہا: جمیل بن معمر نے اس طرح کہا ہے۔ زمخشری نے کہا: جمیل بن اسد فہری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ کسی منافق نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دل ہیں کیونکہ بعض اوقات وہ ایک امر میں ہوتے ہیں پھر

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 431

دوسرے میں شروع ہوتے ہیں پھر پہلے امر کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اس موقع پر انہوں نے کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلایا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت عبد اللہ بن خطل کے بارے میں نازل ہوئی۔ زہری اور ابن حبان نے کہا: یہ حضرت زید بن حارثہ میں تمثیل کے طور پر نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے انہیں متبنی بنایا۔ مطلب ہے جس طرح ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک بچہ دو مردوں کا نہیں ہو سکتا۔ نحاس نے کہا: یہ قول ضعیف ہے لغت میں صحیح نہیں یہ زہری کی منقطعات میں سے ہے معمر نے اسے اس سے روایت کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مثال ہے جو مظاہر کے لیے بیان کی گئی ہے یعنی جس طرح ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح مظاہر کی بیوی اس کی ماں نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ اس کی دو مائیں ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافقوں میں سے ایک کہا کرتا تھا: میرا ایک دل ہے جو مجھے اس امر کا حکم دیتا ہے اور میرا دوسرا دل ہے جو مجھے اس امر کا حکم دیتا ہے۔ منافق دو دلوں والا ہوتا ہے مقصود منافق کا رد کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایمان اور کفر ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، جس طرح دو دل ایک پیٹ میں جمع نہیں ہو سکتے۔ معنی ہے دو مختلف اعتقاد ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ آیت سے مجموعی طور پر چند ایسی اشیاء کی نفی ظاہر ہوتی ہے اس وقت عرب جن چیزوں کا اعتقاد رکھتے تھے اور حقیقت کا اظہار ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قلب صنوبرہ کی شکل میں گوشت کا چھوٹا سا لوتھڑا ہے (2)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا اور اسے علم کا محل بنایا۔ بندہ اس سے ایسے علوم جمع کر لیتا ہے جو کتابوں میں جمع نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس میں خط الٰہی میں لکھتا رہتا ہے اور حفظ ربانی کی صورت میں ضبط کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کو شمار کر لیتا ہے اور اس میں سے کسی چیز کو نہیں بھولتا۔ وہ دو لموں کے درمیان ہے ایک لمہ فرشتے کی جانب سے ہوتا ہے اور ایک لمہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، امام ترمذی نے اسے نقل کیا (3)۔ سورۂ بقرہ میں بحث گزر چکی ہے۔ یہ خطرات، وساوس کا محل، کفر و ایمان کا مکان، اصرار اور بار بار عمل کا محل، پریشانی اور طمانیت کا محل ہے اس میں ہر اس چیز کی نفی ہے جس کے بارے میں حقیقت و مجاز کا کوئی وہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ کسی کے بھی دو دل نہیں اس میں ان منافقین پر طعن ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یعنی دل ایک ہی ہے یا تو اس میں ایمان ہو گا یا اس میں کفر ہو گا، کیونکہ نفاق کا درجہ گویا درمیانی درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی کی اور اس امر کو واضح کیا کہ یہ ایک دل ہے۔ اس طریقہ پر انسان اس آیت سے استدلال کرتا ہے جب وہ کسی چیز کو بھول جاتا ہے یا اسے وہم ہوتا ہے۔ وہ معذرت کے طریقہ پر کہتا ہے: اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے دل میں دو دل نہیں بنائے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ مرد کا اپنی بیوی سے کہنا: انت علی کظھر امی یہ

1۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر 3123، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1504
3۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ البقرۃ، حدیث نمبر 2914، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بحث سورۂ مجادلہ میں مذکور ہے۔ جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ علماء تفسیر نے اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ائمہ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (1) جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے: حضرت زید کو شام سے گرفتار کیا گیا تہامہ کے ایک گھڑ سوار دستہ نے اسے گرفتار کیا اور اسے حکیم بن حزام بن خویلد نے خریدا اس نے یہ غلام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کو ہبہ کر دیا۔ حضرت خدیجہ نے یہ غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کر دیا اور اپنا متبنی بنا لیا۔ حضرت زید ایک عرصہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہے پھر ان کا چچا اور ان کا والد آئے وہ ان کا فدیہ دینا چاہتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے فرمایا۔ یہ بعثت سے قبل کا واقعہ ہے: دونوں اس کو اختیار دے دو اگر وہ تم دونوں کو اختیار کر لے تو وہ فدیہ کے بغیر تمہارا ہے" تو حضرت زید نے اپنی آزادی اور اپنی قوم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کہا: "اے قریش کی جماعت! گواہ رہنا یہ میرا بیٹا ہے، یہ میرا وارث بنے گا اور میں اس کا وارث بنوں گا"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے حلقوں پر چکر لگاتے اور انہیں اس امر پر گواہ بناتے۔ اس پر اس کا چچا اور ان کا باپ راضی ہو گئے اور واپس چلے گئے۔ جب ان کو گرفتار کیا گیا تو ان کا باپ شام میں گھومتا اور کہتا (2):

بكيتُ على زيدٍ ولم أدرِ ما فعل — أحيٌّ يُرجى أم أتى دونه الأجَلُ

فواللّٰه لا أدرى وانى لسائل — اغالك بعدى السّهلُ أم غالك الجبلُ

فياليت شعرى هل لك الدهرَ أوبَةٌ — فحسبى من الدنيا رجوعُك لى بَجَلْ

تُذَكِّرُنِيه الشمس عند طلوعها — وتَعْرِض ذكراه إذا غَرْبُهَا أفَلْ

وان هَبّت الأرياح هَيَّجْنَ ذِكرَه — فيا طول حُزْنِى عليه وما وَجَلْ

سَأُعمِل نصَّ العِيسِ فى الأرض جاهدًا — ولا أسأم التَّطواف أو تسأم الإبل

حياتى أوتأتى على مُنيّتى — فكلّ امرءٍ فانٍ وان غرّه الأمل

میں زید پر رویا میں نہیں جانتا اس کے ساتھ کیا ہوا کیا وہ زندہ ہے کہ اس سے امید کی جائے یا اسے موت آچکی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا میں تو سائل ہوں کیا میرے بعد ہموار زمین نے تجھے پکڑ لیا یا پہاڑ نے تجھے پکڑ لیا؟ کاش! میں جانتا کہ زمانہ میں تیرا لوٹنا ہے۔ ہاں میرے لیے دنیا میں سے تیرا لوٹنا ہی کافی ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کا طلوع مجھے اس کی یاد دلاتا ہے جب وہ غروب ہونے لگتا ہے تو اس کی یاد آجاتی ہے اگر ہوائیں چلیں تو اس کے ذکر کو بھڑکا دیتی ہیں۔ ہائے اس پر طویل حزن اور خوف! میں زمین میں کوشش کرتے ہوئے اونٹ کو کام میں لاؤں گا۔ میں اس وقت تک نہیں اکتاؤں گا یہاں تک کہ اونٹ اکتا جائے۔ میری زندگی کی قسم! یا مجھ پر موت آجائے پس ہر آدمی فانی ہے اگرچہ امید اسے دھوکا میں ڈال دے۔

1۔ صحیح مسلم، الفضائل، فضائل زید بن حارثہ، جلد 2، صفحہ 283 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 368

اسے بتایا گیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ہے وہ اپنے بیٹے کے پاس آیا اور اس کے پاس ہلاک ہو گیا۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے پاس آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا جس طرح ہم نے ذکر کیا اور وہ وہیں چلا گیا (1)۔ اس کے ذکر، فضل اور شرف میں سے ایسی بحث آئے گی جو کافی و شافی ہوگی۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (الاحزاب: 37) ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت زید بن حارثہ آٹھ ہجری میں شام کے علاقہ میں موتہ میں شہید ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں انہیں امیر بنایا تھا۔ فرمایا: ''اگر حضرت زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر اگر حضرت جعفر طیار شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ یہ تینوں جلیل القدر صحابہ کرام اس غزوہ میں شہید ہو گئے'' (2)۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت زید اور حضرت جعفر کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ روئے۔ فرمایا: اخوای، مونسای و محدثای۔ میرے دونوں بھائی، میرے دو غمگسار اور مجھ سے باتیں کرنے والے۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ ؕ وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

''بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے یہ زیادہ قرین انصاف ہے اللہ کے نزدیک، اگر تمہیں علم نہ ہو ان کے باپوں کا تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں، اور نہیں ہے تم پر کوئی گرفت جو تم نادانستہ کر بیٹھو البتہ وہ کام جو تمہارے دل قصداً کرتے ہیں ان پر ضرور گرفت ہوگی اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے حق میں نازل ہوئی جس طرح پہلے وضاحت گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ہم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد پکارا کرتے تھے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ متبنی بنانا دور جاہلیت اور دور اسلام کا معمول تھا۔ اس کے ذریعہ باہم وارث بنا جاتا اور باہم ایک دوسرے کی مدد کی جاتی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ساتھ اس عمل کو منسوخ کر دیا: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی انصاف والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متبنی بنانے کا حکم ختم کر دیا یہ لفظ بولنے سے منع کر دیا اور اپنے اس ارشاد کے ساتھ اس کی طرف رہنمائی کی کہ اولیٰ اور موزوں یہ ہے کہ مرد اس کے نسبی باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔ یہ کہا جاتا ہے: دور جاہلیت میں جب کسی آدمی کو اس کی بہادری اور ظرافت اچھی لگتی تو وہ آدمی اسے اپنے ساتھ ملا لیتا اور اپنی میراث میں سے مذکر اولاد کے برابر اس کا حصہ مقرر کر دیتا۔ اس لڑکے کو اس آدمی کی طرف منسوب کیا جاتا اور کہا جاتا: فلاں بن فلاں۔ نحاس نے کہا: یہ آیت اس متبنی بنانے کے حکم کو منسوخ کرنے والی ہے جو ان کے ہاں پہلے سے رواج تھا۔ اس میں سنت کو آیت سے منسوخ کرنے کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1505
2۔ دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 361

ثبوت ملتا ہے۔ تو حکم دیا گیا کہ جس کو بھی بلاؤ اسے اس کے معروف باپ کی نسبت سے بلاؤ۔ اگر اس کا باپ معروف نہ ہو تو اس کو اس کی ولاء (☆) کی طرف منسوب کرو اگر اس کی ولاء بھی معروف نہ ہو تو اسے کوئی بلائے تو یوں بلائے: یا اخی یعنی اے میرے دینی بھائی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: 10)

مسئلہ نمبر 2۔ اگر کسی آدمی نے اسے ایسے باپ کی طرف منسوب کر دیا جس کا وہ متبنی تھا اگر تو یہ غلطی سے ہوا یعنی بغیر ارادہ کے اس کی زبان پر آ گیا تو اس پر کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ اسی طرح اگر تو کسی آدمی کو بلاتا ہے اور اس کی نسبت اس کے اپنے باپ کی طرف کرنے کی بجائے کسی اور کی طرف کرتا ہے جب کہ تو خیال کرتا ہے یہ اس کا باپ ہے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ یہ حکم اس پر جاری نہیں ہوگا جس کا متبنی ہونے کے اعتبار سے نام زیادہ مشہور ہو گیا ہو جس طرح حضرت مقداد بن عمرو، ان پر متبنی ہونے کے اعتبار سے نام غالب آ گیا تھا۔ یہ حضرت مقداد بن اسود کے نام سے مشہور و معروف تھے کیونکہ اسود بن یغوث نے دور جاہلیت میں انہیں متبنی بنایا تھا اور اسی وجہ سے معروف و مشہور تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی مقداد نے کہا: میں ابن عمرو ہوں۔ اس کے باوجود اس پر اطلاق باقی رہا۔ جو علماء گزر چکے ہیں ان میں سے کسی سے یہ نہیں سنا گیا کہ اس پر اس نام کا اطلاق کرنے والے کو گناہگار قرار دیا گیا ہو اگرچہ وہ جان بوجھ کر نام لے۔

اسی طرح حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ وہ مولیٰ ابو حذیفہ کے نام سے پکارے جاتے ان کے علاوہ بھی کئی افراد ہیں جن کو متبنی بنایا گیا اور انہیں اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کیا گیا، اس میں مشہور ہوئے اور وہ نام ان پر غالب آیا، لیکن حضرت زید بن حارثہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ انہیں اب زید بن محمد کہنا جائز نہیں اگر کسی نے جان بوجھ کر ایسا کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا۔ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ تو پھر تم پر گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اسی وجہ سے بعد میں فرمایا: وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا غفور یعنی جان بوجھ کر اس عمل کے کرنے والے کو بخشنے والا ہے اور رَّحِيْمًا خطا کے اثم کو ختم کرنے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ یہ مجمل ہے یعنی تم نے جو غلطی کی ہے اس میں تم پر کوئی حرج نہیں؛ یہ عطا اور کثیر علماء کا فتویٰ تھا۔ اسی تعبیر کی بنا پر کہا گیا: جب کوئی آدمی قسم اٹھائے کہ وہ اپنے مقروض کا پیچھا نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ وہ اس سے اپنا پورا پورا حق لے لے، تو اس نے اس سے وہ دینار لے لیے جن کو وہ عمدہ خیال کرتا تھا پھر اس نے ان کو کھوٹے پایا تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی اسی طرح اس کے نزدیک یہ بھی ہے جب اس نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کو سلام نہیں کرے گا اس نے اسے سلام کیا جب کہ وہ اسے پہچانتا نہیں تھا وہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اس میں قصد نہیں کیا۔ ما محل جر میں ہے (اس ما سے مراد وہ ما ہے جو مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ میں ہے) اس ما کو اس ما کی

☆ ولاء، یہ ایک اصطلاح ہے عرب جس کی پناہ لیتے اس کے لیے یہ لفظ استعمال کرتے۔ جس کے غلام ہوتے اس کے لیے یہ لفظ استعمال کرتے بعد میں جس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جاتا اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔

طرف لوٹایا گیا ہے جو اخطاتم میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو کیونکہ مبتدا محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ولکن الذی تؤاخذون بہ ما تعمدت قلوبکم قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: جس آدمی نے کسی کو اس کے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جب کہ اس کا خیال ہو کہ وہ اس کا باپ ہے اس نے یہ بات خطاً کی تو یہ اس خطا سے ہوگی جس پر سے اللہ تعالیٰ نے گناہ کو اٹھا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گفتگو کرتے ہوئے اسے یہ کہے: اے بیٹے! جب کہ اس نے یہ گفتگو اس کے متعلق کی جو اس کا متبنیٰ نہ ہو۔

مسئلہ نمبر4۔ ذٰلِکُمۡ قَوۡلُکُمۡ بِاَفۡوَاهِکُمۡ،(1) بِاَفۡوَاهِکُمۡ قول کے باطل ہونے کی تاکید ہے، یعنی یہ ایسا قول ہے جس کی وجود میں کوئی حقیقت نہیں، یہ صرف زبانی قول ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: أنا أمشی الیک علی قدمی میں قدموں پر چل کر تیرے پاس آؤں گا۔ اس سے مراد حسن معاملہ ہے، یہ کثرت سے واقع ہوتا ہے۔ یہ کئی مواضع پر بحث واقع ہوئی ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُوۡلُ الۡحَقَّ، الۡحَقَّ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یقول القول الحق، یھدی اس کا معنی واضح ہے یہ فعل حرف جار کے واسطہ کے بغیر متعدی ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر5۔ الادعیاء یہ دعی کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ایسے بیٹے کا دعویٰ کرے جس کا پہلے باپ معروف نہ ہو اور یا وہ اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے۔ مصدر دعوۃ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ادعیاء کو اپنے صلبی باپوں کے ساتھ بلایا جائے۔ جو آدمی اس اعتبار سے مجہول ہو اور ان کے نسب مشہور نہ ہوں تو وہ مولی اور دینی بھائی ہوگا۔ طبری نے ذکر کیا کہ ابوبکر نے اس آیت کو پڑھا اور کہا: میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کا باپ معروف نہیں میں تمہارا دینی بھائی اور مولی ہوں۔ ان سے روایت کرنے والے نے کہا: اللہ کی قسم! اگر انہیں علم ہوتا کہ اس کا باپ گدھا ہے تو وہ اپنی نسبت اس سے کر لیتا۔ محدثین ابوبکر کے بارے میں یوں ذکر کرتے ہیں: نُفَیع بن حارث

مسئلہ نمبر6۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوبکرہ دونوں کے بارے میں صحیح روایت مروی ہے کہا: میرے دونوں کانوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کہ میرے دل نے اسے یاد رکھا: ''جس نے اپنی نسبت اپنے غیر باپ کی طرف کی جب کہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے''(2)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس آدمی نے اپنے غیر باپ سے ہونے کا دعویٰ کیا جب کہ وہ اسے جانتا بھی ہو تو اس نے کفر کیا''(3)۔

1۔ سورۂ احزاب کی آیت نمبر 4 کے الفاظ ہیں۔ تاہم تمام نسخوں میں یہ مسئلہ یہاں ہی مذکور ہے اگرچہ الفاظ کے ظاہر کو دیکھا جائے تو ان کا تعلق ماقبل آیت سے بنتا ہے۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، من ادعی الی غیر ابیہ، جلد 2، صفحہ 1007

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان حال الایمان من رغب، جلد 1، صفحہ 57

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝

''نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں کتاب اللہ کی رو سے عام مومنوں اور مہاجرین سے مگر یہ کہ تم اگر چاہو اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی (تو اس کی اجازت ہے) یہ (حکم) کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی، اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا''۔

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یہ وہ آیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو زائل فرمایا جو ابتداء اسلام میں تھے۔ (1) نبی کریم ﷺ اس آدمی کا نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس کے ذمہ کوئی قرض ہوتا جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتوحات سے نوازا فرمایا: ''میں مومنوں سے ان کی ذاتوں سے زیادہ قریب ہوں جو مومن فوت ہو اور اس پر قرض ہو تو اس قرض کو ادا کرنا میری ذمہ داری ہے اور جو مال چھوڑ جائے تو اس کے وارثوں کا ہے'' (1)۔ دونوں صحیحوں نے نقل کیا ہے۔ ان میں یہ بھی ہے: ''تم میں سے جو قرض یا بال بچے چھوڑ جائے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں''۔ ابن عربی نے کہا: اب معاملہ گناہوں کی صورت میں پلٹ گیا ہے اگر وہ مال چھوڑ جائیں تو عصبات اس میں شریک ہوں گے اور اگر وہ بال بچے چھوڑ جائیں تو ان کو رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اس آیت میں ولایت مذکورہ کی یہ تفسیر اس تفسیر کی طرح ہے جو نبی کریم ﷺ نے فرمائی اور تنبیہ کی۔ ولا عطر بعد عروس عروس کے بعد کوئی عطر نہیں (2)۔

ابن عطیہ نے کہا: علماء عارفین میں سے ایک نے کہا: نبی کریم ﷺ ان کے نفسوں سے زیادہ خیر خواہ ہیں کیونکہ ان کے نفوس انہیں ہلاکت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور نبی کریم ﷺ انہیں نجات کی طرف بلاتے ہیں۔ اسی امر کی تائید نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کرتا ہے: انا آخذ بحجزکم عن النار وأنتم تقحمون فیھا تقحم الفراش (3) میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ کر جہنم سے بچا رہا ہوں جب کہ تم اس میں یوں داخل ہونا چاہتے ہو جس طرح پتنگ آگ میں گرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کے معنی اور تفسیر میں یہ اچھا قول ہے۔ وہ حدیث جو ذکر کی گئی ہے اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، من ترك مالا فلاھلہ، جلد 2، صفحہ 997

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1508

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 370

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنما مثلی و مثل أمتی کمثل رجل استوقد نارا فجعلت الدواب والفراش یقعن فیہ وأنا آخذ بحجزکم وأنتم تقحمون فیہ (1) میری اور میری امت کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو آگ کو روشن کرتا ہے تو جاندار اور پتنگ اس میں گرنا شروع ہو جاتے ہیں میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ کر آگ سے بچا رہا ہوں جب کہ تم اس میں گرنا چاہتے ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے: وأنتم تَفَلَّتُون من یدی جب کہ تم میرے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہو۔ علماء نے کہا: حجزہ پائجاموں کے لیے اور معقد تہبند کے لیے ہوتا ہے۔ مراد وہ جگہ ہے جہاں ان کی گرہ باندھی جاتی ہے۔ جب کوئی اس آدمی کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے جس کے گرنے کا خوف ہو تو اس کی یہی جگہ پکڑتا ہے۔ یہ اس میں مثال ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری نجات کے لیے تگ و دو کرتے ہیں اور وہ ہلاکتیں جو ہمارے سامنے ہیں ان سے ہمیں بچانے کے حریص ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہماری جانوں سے زیادہ خیر خواہ ہیں۔ ہم اس سے ناواقف ہیں، ہم پر ہماری شہوتوں کا غلبہ ہے اور ہمارا لعین دشمن ہم پر کامیاب ہو جاتا ہے تو ہم فراش سے زیادہ حقیر اور پتنگ سے زیادہ ذلیل ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: أولی بھم سے مراد ہے جب آپ کسی چیز کا حکم دیں اور نفس کسی اور چیز کی طرف دعوت دے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اطاعت کے زیادہ لائق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أولی بھم سے مراد ہے آپ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ مومنوں کو حکم دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ان کی ذاتوں میں نافذ ہو یعنی جو وہ اپنے بارے میں حکم دیتے ہیں اور وہ آپ کے حکم کے خلاف ہوتا ہے اس کی بجائے آپ کا حکم اطاعت کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے کہا: امام پر لازم ہے کہ فقراء کا قرض بیت المال سے ادا کرے وہ اس امر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے وجوب کی تصریح کی ہے۔ فرمایا: فعلی قضاءہ، الضیاع یہ ضاع کا مصدر ہے۔ پھر یہ لفظ ہر اس چیز کا نام بنا دیا گیا جو ضائع ہوا چاہتی ہو خواہ وہ اس کے عیال سے تعلق رکھتی ہو یا وہ بیٹے ہوں، جن کا کوئی کفیل نہ ہو اور مال ہو جس کا کوئی نگہبان نہ ہو۔ زمین کو ضیعہ کا نام دیا کیونکہ وہ ضائع ہونے کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ اس کی جمع ضیاع ضاد کے کسرہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو شرف سے نوازا کہ انہیں مومنوں کی مائیں بنا دیا، یعنی ان کی تعظیم، ان کے ساتھ حسن سلوک، ان کی تکریم اور مردوں کے ساتھ ان کے نکاح کی حرمت واجب ہے اسی طرح اپنی ماؤں کے برعکس ان سے پردہ کرنا واجب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ان کی شفقت ماؤں کی شفقت جیسی ہے تو انہیں ماؤں کے قائم مقام رکھا۔ پھر یہ ماں کا رشتہ میراث کو ثابت نہیں کرے گا جس طرح متبنیٰ ہونے کی وجہ سے ماں کا رشتہ وراثت کو ثابت نہیں کرتا۔ ان کی بیٹیوں سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا جائز ہے انہیں لوگوں کی بہنیں نہیں بنایا جائے گا۔ آیت تطہیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد کا ذکر آئے گا۔ ان شاء اللہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، شفقۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ، جلد 2، صفحہ 248

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا وہ مردوں اور عورتوں کی مائیں ہیں یا صرف مردوں کی مائیں ہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں: امام شعبی نے مسروق سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں ایک عورت نے آپ سے کہا: اے ماں! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں تیری ماں نہیں ہوں۔ میں صرف تمہارے مردوں کی ماں ہوں (1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: عورتوں کے سوا مردوں کے لیے اس حکم کی اباحت کے حصر کے اختصاص میں کوئی فائدہ نہیں میرے لیے جو امر ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کی مائیں ہیں۔ مقصد اس حق کی عظمت کا اظہار ہے جو حق ان کا مردوں اور عورتوں پر ہے جس پر آیت کا ابتدائی حصہ دلالت کرتا ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ یہ حکم بدیہی طور پر مردوں اور عورتوں کو شامل ہوگا۔ اس پر حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ سب کی طرف لوٹ رہا ہے۔ پھر حضرت ابی کے مصحف میں وازواجه أمهاتهم و هو رب لهم کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے پڑھا من أنفسهم و هواب لهم د ازواجه امهاتهم یہ سب کچھ اس موقف کو کمزور کر دیتا ہے جسے مسروق نے روایت کیا اگر ترجیح کی جہت سے وہ صحیح ہو۔ اگر وہ صحیح نہ ہو تو تخصیص میں اس سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے اور ہم اس اصل پر باقی رہ جاتے ہیں جو عموم ہے وہ عموم جو ذہنوں کی طرف جلدی سبقت لے جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومنین سے مراد انصار اور مہاجرین سے مراد قریش ہیں اس میں دو قول ہیں: (۱) ہجرت کی وجہ سے جو وراثت جاری تھی اس کو منسوخ کر دیا۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ سورۃ الانفال میں یہ حکم نازل ہوا: وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا (الانفال: 73) مسلمان باہم ہجرت کی وجہ سے وارث بننے لگے۔ کوئی بدو مسلمان اپنے قریبی مسلم مہاجر کا اس وقت تک وارث نہ بنتا یہاں تک کہ وہ ہجرت کرتا پھر اس سورت میں اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ۔

(۲) یہ اس وراثت کے حکم کے لیے ناسخ ہے جو وراثت باہمی معاہدہ اور دینی مواخات کی وجہ سے جاری تھی۔ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جماعت قریش جب مدینہ طیبہ آئے تو ہمارے پاس کوئی مال وغیرہ نہیں تھا۔ ہم نے انصار کو بہت ہی اچھا بھائی پایا ہم نے ان سے مؤاخات قائم کی انہوں نے ہمیں اپنا وارث بنایا اور ہم نے انہیں وارث بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق حضرت خارجہ بن زید کے ساتھ بھائی بنے اور میں حضرت کعب بن مالک کے بھائی بنا میں اس کے پاس پہنچا میں نے اسے پایا کہ اسلحہ نے اسے بوجھل کیا ہوا ہے اللہ کی قسم! اگر وہ اس وقت دنیا سے فوت ہوتے تو میرے سوا ان کا کوئی وارث نہ ہوتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو ہم اپنی اپنی وراثتوں کی طرف لوٹ گئے (2)۔

1۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1509 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 375

حضرت عروہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت کعب بن مالک کے درمیان مواخات قائم کی حضرت کعب غزوۂ احد کے موقع پر مرتث ہوئے (وہ مجاہد جسے میدان جنگ سے باہر لایا جائے اور اس میں زندگی کے آثار ہوں) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کی سواری کو لگام پکڑ کر لائے اگر اس روز حضرت کعب ضح اور ریح (کثیر مال) کے ساتھ فوت ہو جاتے تو حضرت زبیر ان کے وارث ہوتے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کیا کہ رشتہ داری باہمی معاہدہ سے اولیٰ ہے۔ جو باہمی معاہدہ سے وراثت جاری ہوئی اس کو ترک کر دیا گیا اور وہ قرابت سے وارث ہوئے۔ سورۃ الانفال میں ذوی الارحام کے وارث بننے کے احکام گزر چکے ہیں۔ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ میں احتمال ہے کہ مراد قرآن حکیم ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد لوح محفوظ ہو جس میں مخلوق کے احوال کا فیصلہ کر دیا گیا۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ جار مجرور اولیٰ کے متعلق ہے۔ اولو الارحام کے متعلق نہیں۔ یہی اجماع ہے کیونکہ یہ بعض مومنوں کی تخصیص کو ثابت کرتا ہے اس کے عموم میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہی اس کے اشکال کا حل ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے(1)۔ نحاس نے کہا: وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ یہ جائز ہے کہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، اُولُوْ کے متعلق ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی واولو الارحام من المومنین و المهاجرین یہ جائز ہے کہ معنی ہو مومنین سے اولیٰ۔ مہدوی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی ہے اولو الارحام ان میں سے بعض بعض سے کتاب اللہ میں قریبی ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے یہ جائز ہے کہ انہیں امہات المومنین کے نام سے پکارا جائے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ماؤں کی طرح ہوں حرمت کے اعتبار سے اور انہیں دیکھنے کے اعتبار سے۔ اس بارے میں دو قول ہیں: (۱) وہ محرم ہیں انہیں دیکھنا حرام نہیں (۲) انہیں دیکھنا حرام ہے کیونکہ ان کے ساتھ نکاح کرنا اس لیے تھا کہ ان کے بارے میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے اس کی حفاظت کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی حفاظت اس میں ہے کہ ان کی طرف دیکھنا بھی حرام ہو، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کسی بچے کو اپنے ہاں آنے کی اجازت دینا چاہتیں تو آپ اپنی بہن حضرت اسماء کو کہتیں کہ وہ اسے دودھ پلا دے تاکہ وہ ان کا بھانجا بن جائے تو وہ آپ کا محرم بن جاتا جس کے لیے آپ کو دیکھنا مباح ہو جاتا۔ جن عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری زندگی میں طلاق دے دی ان کے لیے حرمت کے ثبوت میں تین اقوال ہیں: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو غلبہ دیتے ہوئے ان کے لیے بھی یہ حرمت ثابت ہو جائے گی۔ (۲) ان کے لیے یہ حرمت ثابت نہیں ہوگی، بلکہ وہ تمام دوسری عورتوں کی طرح ہوں گی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عصمت کو ثابت کیا اور فرمایا: ''دنیا میں جو میری بیویاں ہیں وہی آخرت میں میری بیویاں ہوں گی''۔ (۳) ان میں سے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق زوجیت ادا کیے ان کی حرمت ثابت ہوگی اور اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہوگا اگرچہ آپ نے اسے طلاق دے دی۔ مقصد ان کی حرمت کی حفاظت اور آپ کی خلوت کی نگہبانی تھی۔

1۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1509

جس کے ساتھ دخول نہ کیا ان کے لیے یہ حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو رجم کرنے کا ارادہ کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدائی اختیار کی تھی۔ اور اس عورت نے بعد میں شادی کی تھی۔ اس عورت نے کہا: یہ حکم کس وجہ سے ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر پردہ نہیں ڈالا اور نہ اس کو ام المومنین کا لقب دیا گیا، حضرت عمر اس پر رجم کرنے سے رک گئے (1)۔

مسئلہ نمبر 6۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اب کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (الاحزاب: 40) بلکہ کہا جائے گا: کمثل الاب للمومنین مومنوں کے لیے باپ کی طرح، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إنما أنا لكم بمنزلة الوالد أعلمكم (2) میں تمہارے لیے والد کے قائم مقام ہوں میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ ابوداؤد نے اسے نقل کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کہنا جائز ہے: انہ اب للمومنین آپ حرمت و تکریم میں مومنوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (الاحزاب: 40) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے نسبی باپ نہیں۔ اس کی بحث بعد میں آئے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا من أنفسهم وهو اب لهم وازواجه حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قراءت کو سنا اور اس کا انکار کیا۔ فرمایا: اے بچے! اس کا حکم۔ حضرت ابن عباس نے عرض کی: یہ حضرت ابی کے مصحف میں ہے۔ حضرت عمر حضرت ابی کی طرف گئے اور ان سے پوچھا۔ حضرت ابی نے آپ سے کہا: قرآن مجھے ہر چیز سے غافل رکھتا تھا اور آپ کو بازار میں تجارت ہر چیز سے بے نیاز رکھتی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے سخت جملے کہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے قول سے کہا تھا: هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ (ہود: 78) مراد ان کی مومنات تھیں یعنی ان سے شادی کرو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: آپ کی بیٹیوں کو مومنوں کی بہنیں اور امہات المومنین کی بہنوں اور بھائیوں کو مومنوں کے خالو اور خالائیں نہیں کہا جائے گا۔ امام شافعی نے کہا: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے شادی کی جب کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ کی ہمشیرہ تھیں۔ انہیں مومنوں کی خالہ نہیں کہا گیا: ایک قوم نے اس لفظ کا اطلاق کیا اور کہا: حضرت معاویہ مومنوں کے خالو ہیں یعنی حرمت میں نہ کہ نسب میں خالو ہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا مراد زندگی میں احسان اور موت کے وقت وصیت ہے یعنی یہ جائز ہے؛ یہ قتادہ، حسن بصری اور عطا کا نقطہ نظر ہے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی کہ کوئی مومن یہودی اور عیسائی کے حق میں وصیت کرے، یعنی مومن ولی اور قریبی رشتہ دار کے حق میں وصیت کر سکتا ہے اگرچہ وہ کافر ہو۔ مشرک نسب میں ولی ہے دین میں ولی نہیں پس وہ اس کے حق میں وصیت کر سکتا ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کیا کافر کو وصی بنایا جا سکتا ہے؟ بعض علماء نے اسے جائز قرار دیا اور بعض نے اس سے منع کیا۔ بعض علماء نے اس معاملہ کو سلطان کی طرف لوٹا دیا۔ ان میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مجاہد، ابن زید اور رمانی اس طرف گئے ہیں کہ معنی ہے: مومن اولیاء کے حق میں وصیت کرو۔ آیت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 374

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، کراہیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ، جلد 1، صفحہ 3

کے الفاظ اس مذہب کی تائید کرتے ہیں۔ ولی کو عام رکھنا یہ بھی اچھا ہے۔ نسب کی ولایت یہ کافر کو رد نہیں کرتی یہ اس امر کو رد کرتی ہے اس کے ساتھ محبت کا رشتہ قائم کیا جائے جس طرح اسلام کے اعتبار سے ولی سے محبت کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا، الْكِتٰبِ انہیں دو وجوہ کا احتمال رکھتی ہے جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہو چکا ہے۔ مَسْطُوْرًا یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: سطرت الکتاب جب تو اسے سطروں کی صورت میں ثبت کر دے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ کوئی کافر مسلمان کا وارث نہیں بنے گا۔ قتادہ نے کہا: ایک قراءت میں ہے کان ذلك عند الله مکتوبا۔ قرظی نے کہا: مراد ہے تورات میں یہ اس طرح ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ یعنی انبیاء کو جو ذمہ داریاں دی گئیں ان کو پورا کرنے کا وعدہ لیا گیا، یہ وعدہ لیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کو بشارت دیں گے اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں گے یعنی وہ مسطور تھا جب اللہ تعالیٰ نے کہا جو کچھ ہونے والا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ لیا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: کان مسطورا حین کتب الله ما هو کائن حین أخذ الله تعالى المواثیق من الانبیاء، ومنك ضمیر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ان پانچ انبیاء ورسل کو خاص کیا اگرچہ یہ انبیاء کے زمرہ میں داخل تھے۔ یہ اولو العزم رسولوں اور امتوں کے ائمہ میں سے تھے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے یہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ولایت کو ختم کرنے کی تعظیم کے لیے ہو یعنی یہ ایسی بات ہے جس میں انبیاء کی شریعتوں میں کوئی اختلاف نہیں یعنی اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت کی وجہ سے باہم وراثت جاری تھی اور ہجرت دیانت میں قوی سبب تھا۔ پھر ایمان کے ہوتے ہوئے قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے باہم وارث بنے یہ بھی بڑا مضبوط سبب ہے جہاں تک مومن اور کافر کے درمیان وراثت کا تعلق ہے تو یہ ان انبیاء میں سے کسی نبی کے دین میں نہیں جن سے پختہ وعدہ لیا گیا، اس لیے تم ان میں کمزوری نہ دکھاؤ اور کفار سے دوستی نہ اپناؤ۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا (الشوریٰ: 13) دین میں تفرق کو ترک کرنا اس کی ایک صورت کفار سے دوستی کو ترک کرنا بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی مومنوں کی ذاتوں پر ان پر زیادہ حق رکھتا ہے یہ کتاب میں لکھا ہوا تھا اور انبیاء سے اس کا پختہ وعدہ بھی لیا گیا تھا۔

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا یعنی ہم نے ان سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ انہوں نے رسالت کی تبلیغ کی ذمہ داری اٹھائی ہے اور یہ ذمہ داری اٹھائی کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں گے۔ میثاق سے مراد اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانا ہے۔ دوسرا میثاق یہ اللہ کے نام کی قسم کے ساتھ پہلے میثاق کی تائید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا میثاق یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار ہے اور دوسرا میثاق نبوت کے متعلق ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ (آل عمران: 81) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے پختہ وعدہ لیا کہ وہ اعلان کریں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان کریں گے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے ذکر کیا کیونکہ حضرت

قتادہ نے حضرت حسن بصری سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا گیا: وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ فرمایا: ''میں پیدائش میں ان سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخری ہوں'' (1)۔ مجاہد نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ہوا (2)۔

لِّیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ۟

''یہ کہ (آپ کا رب) پوچھے سچوں سے ان کے سچ کے متعلق اور اس نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے دردناک عذاب''۔

اس کی چار توجیہیں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ انبیاء سے پوچھے کہ انہوں نے اپنی قوموں تک پیغام حق پہنچایا ہے؛ نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ اس میں تنبیہ ہے یعنی جب انبیاء سے پوچھا جائے گا تو دوسروں سے کیسے نہیں پوچھا جائے گا؟ (3)

(۲) انبیاء سے یہ پوچھا جائے گا کہ ان کی قوموں نے انہیں کیا جواب دیا ہے: یہ علی بن عیسیٰ نے بیان کیا ہے۔ (4)

(۳) اللہ تعالیٰ انبیاء سے اس وعدہ کے پورا کرنے کے بارے میں پوچھے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا تھا؛ ابن شجرہ نے اسے بیان کیا ہے۔ (5)

(۴) سچے مومنوں سے مخلص دلوں کے بارے میں پوچھے (6) قرآن حکیم میں ہے فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ۟ (الاعراف) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان سے سوال کا فائدہ یہ ہے کہ کفار کو شرمندہ کیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ (المائدہ: 116) وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا اس سے مراد عذاب جہنم ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۟ۚ

''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا جب (حملہ آور ہو کر) آ گئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا''۔

مراد غزوہ خندق، احزاب اور غزوہ بنی قریظہ ہے یہ سخت ترین حالات تھے جس کے بعد نعمت، خوشحالی اور سرور کی کیفیت تھی یہ کثیر احکامات اور آیات واضحہ اور غالبہ کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دس مسائل میں ایسی بحث کریں گے جو کافی متاثر ہو گی۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 377 2۔ تفسیر مجاہد، جلد 1، صفحہ 213

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 378 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

مسئلہ نمبر 1۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کس سال واقعہ ہوا؟ ابن اسحاق نے کہا: یہ پانچ ہجری شوال میں ہوا تھا۔ ابن وہب اور ابن قاسم نے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت نقل کی ہے: غزوۂ خندق کا واقعہ 4ھ میں ہوا تھا۔ یہ اور غزوہ بنوقریظہ اسی دن ہوا تھا۔ بنوقریظہ اور بنونضیر کے واقعہ کے درمیان چار سال کا عرصہ حائل ہے۔ ابن وہب نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں جہاد کا حکم دیا گیا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (الاحزاب:10) کہا: یہ غزوہ خندق کا موقع تھا قریش اس جانب سے، یہودی اس جانب سے اور نجدی یہاں سے آئے تھے۔ امام مالک ارادہ کرتے ہیں۔ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ سے مراد بنوقریظہ ہیں۔ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ سے مراد قریش وغطفان ہیں (1) اس کا سبب یہ ہوا کہ یہودیوں کی ایک جماعت جن میں کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، سلام بن ابی الحقیق، سلام بن مشکم، حیی بن اخطب نضری، ہوذہ بن قیس، ابوعمار، بنوحلال سے یہ سب یہودی تھے یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ان لشکروں کو بلایا تھا، انہیں دعوت دی اور انہیں جمع کیا تھا۔ یہ لوگ بنونضیر کی جماعت اور بنووائل کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے یہ مکہ مکرمہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی اور اپنی جانب سے وعدہ کیا کہ وہ ہر ممکن ان کی مدد کریں گے۔ اہل مکہ نے ان کی آواز پر لبیک کہی۔ پھر یہی یہودی غطفان کی طرف گئے انہیں بھی ایسی ہی دعوت دی تو انہوں نے بھی ان کی بات کو تسلیم کر لیا۔ قریش نکلے ان کی قیادت ابوسفیان کر رہا تھا غطفان نکلے ان کا قائد عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری جو فزارہ کا سردار تھا، حارث بن عوف مری جو بنومرہ کا قائد تھا، مسعود بن رحیلہ جو اشجع کا سردار تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اجتماع اور اپنے علاقوں سے چل پڑنے کے بارے میں سنا تو اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلیمان فارسی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورہ پر راضی ہو گئے۔ مہاجرین نے اس روز کہا: سلمان ہم میں سے ہے۔ انصار نے کہا: سلمان ہم میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے'' (2)۔ غزوۂ خندق وہ پہلا غزوہ تھا جس روز حضرت سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے وہ اس روز آزاد تھے۔ عرض کی: یا رسول اللہ! جب ہم محاصرہ میں آ جائیں تو ہم خندق کھودتے ہیں مسلمانوں نے خندق کھودنے میں بڑی محنت کی۔ منافقین نے کمزوری کا اظہار کیا اور ایک دوسرے کی اوٹ میں کھسکنے لگے تو ان کے بارے میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں جن کا ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے مسلمانوں میں سے جو اپنے حصہ سے فارغ ہو گیا تو اس نے دوسرے کی مدد کی یہاں تک کہ خندق مکمل ہو گئی اس میں واضح نشانیاں اور نبوت کی علامات تھیں۔ میں کہتا ہوں: یہ خبر جو ہم نے ذکر کی ہے اس میں فقہی مسئلہ ہے، یہی دوسرا مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ سلطان کا اپنے ساتھیوں اور اپنے خاص لوگوں سے قتال کے بارے میں مشورہ کرنا۔ یہ بحث سورۂ آل عمران اور سورۃ النمل میں گزر چکی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ دشمن سے حفاظت کا اہتمام کرنا چاہیے جس قدر اسباب اور ان کا استعمال ممکن ہو۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ خندق کا کھودنا لوگوں پر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ان میں سے جو

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1510 2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 337

فارغ ہوا اس نے اس کی مدد کی جو فارغ نہ ہوا تھا۔ مسلمان دوسروں کے مقابلہ میں ایک ہاتھ تھے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت براء بن عازب سے مروی ہے (1): جب غزوۂ احزاب کا موقع تھا اور رسول اللہ ﷺ خندق کھود رہے تھے میں نے آپ کو دیکھا آپ خندق سے مٹی نکال رہے تھے یہاں تک کہ مٹی نے آپ کے بطن کی جلد کو مجھ سے چھپا دیا تھا آپ کے جسم پر کثیر بال تھے اور میں نے آپ کو حضرت ابن رواحہ کے کلمات کے ساتھ رجز پڑھتے ہوئے سنا اور آپ کہہ رہے تھے۔

اللّٰهُمَّ لولا أنت ما اهتدينا ولا تصدّقنا ولا صلّينا
فأنزلن سكينةً علينا وثبّت الأقدام إن لاقينا

اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے۔ ہم پر سکینہ کو نازل فرما اگر ہماری دشمنوں سے مڈبھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

اس واقعہ میں جو نشانیاں ہیں وہ یہ ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ نسائی نے ابی سکینہ سے جو جہنم کی آگ سے آزاد کیے گئے لوگوں میں سے تھے نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو ان کے سامنے ایک چٹان آئی جو صحابہ اور خندق کھودنے کے درمیان حائل ہوئی رسول اللہ ﷺ اٹھے کدال لی اپنی چادر خندق کے ایک کونہ پر رکھی، فرمایا: وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا (الانعام: 115) تو ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا جب کہ حضرت سلیمان فارسی کھڑے دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی ضرب کے ساتھ بجلی چمکی پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی، زبان سے کہا: وَ تَمَّتْ، تو تیسرا حصہ ٹوٹ گرا بجلی چمکی جسے حضرت سلمان فارسی نے دیکھا پھر آپ ﷺ نے تیسری ضرب لگائی، زبان سے کہا: وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا، تو باقی ماندہ تیسرا حصہ بھی ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے اپنی چادر لی اور بیٹھ گئے۔ حضرت سلمان نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ میں نے آپ کو دیکھا جب آپ نے ضرب لگائی۔ آپ ضرب نہیں لگاتے تھے مگر اس کے ساتھ بجلی نکلتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے سلیمان! تو نے وہ دیکھا؟'' عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! یا رسول اللہ! فرمایا: ''جب میں نے پہلی ضرب لگائی تو میرے لیے کسریٰ کے مدائن کو بلند کیا گیا اور اس کے اردگرد بے شمار شہر تھے یہاں تک کہ میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا''۔ جو صحابہ آپ کے پاس حاضر تھے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم پر ان شہروں کو فتح کرے، ان کے بچے ہمیں مال غنیمت کے طور پر دے اور ہمارے ہاتھوں سے ان کے شہروں کو برباد کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، پھر میں نے دوسری ضرب لگائی تو میرے لیے قیصر کے شہر اور اس کے اردگرد جو شہر تھے وہ بلند کیے گئے یہاں تک کہ میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ انہیں ہم پر فتح کرے اور ہمیں ان کے بچے مال غنیمت کے طور پر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی۔ پھر میں نے تیسری ضرب لگائی تو میرے لیے حبشہ کے شہر اور اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، غزوۂ خندق، جلد 2، صفحہ 589

کے اردگرد کے شہر بلند کیے گئے یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تک اہل حبشہ تمہیں چھوڑے رہیں تم انہیں چھوڑے رکھو اور ترکوں کو چھوڑے رکھو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رکھیں'' (1)۔ حضرت براء نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا تو ایک چٹان ہمارے سامنے آگئی ہماری کدالیں اس میں کوئی نفع نہ دے رہی تھیں۔ ہم نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی رسول اللہ ﷺ تشریف لائے آپ نے چادر رکھی اور کدال لی اور فرمایا: ''بسم اللہ'' آپ نے ایک ضرب لگائی تو چٹان کا تیسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ پھر فرمایا: ''اللہ اکبر مجھے شام کی چابیاں دے دی گئیں اللہ کی قسم! میں اس جگہ سے اس کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں''۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی فرمایا: ''باسم اللہ'' تو ایک تہائی چٹان کو توڑ دیا پھر فرمایا: ''اللہ اکبر مجھے فارس کی چابیاں دے دی گئیں۔ اللہ کی قسم! میں مدائن کے سفید محل دیکھ رہا ہوں''۔ پھر آپ نے تیسری ضرب لگائی۔ فرمایا: ''بسم اللہ'' آپ نے پتھر توڑ دیا اور فرمایا: ''اللہ اکبر مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں، اللہ کی قسم! میں صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں''ابو محمد عبدالحق نے اس کی تصحیح کی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب رسول اللہ ﷺ خندق کھودنے سے فارغ ہو گئے قریش دس ہزار کے لشکر کے ساتھ آئے ان کے ساتھ بنوکنانہ اور اہل تہامہ موجود تھے۔ غطفان اہل نجد کے ساتھ آئے یہاں تک کہ وہ احد پہاڑ کی ایک جانب اترے۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان سلع پہاڑ کو پشت پر رکھتے ہوئے تین ہزار کی تعداد میں نکلے۔ اپنے لشکر کو ترتیب دیا جب کہ خندق ان کے درمیان اور مشرکوں کے درمیان تھی۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ پر عامل مقرر کیا؛ یہ ابن شہاب کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ کا دشمن حیی بن اخطب نضری نکلا یہاں تک کہ کعب بن اسد قرظی کے پاس پہنچا وہ بنوقریظہ کی جانب سے معاہدہ کرنے والا اور ان کا رئیس تھا۔ اسی نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کیا تھا۔ جب کعب بن اسد نے حیی بن اخطب کے بارے میں سنا تو اپنے قلعہ کا دروازہ اس پر بند کر لیا اور دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حیی نے کہا: اے میرے بھائی! میرے لیے دروازہ کھولو۔ کعب نے کہا: میں تیرے لیے دروازہ نہیں کھولوں گا تو منحوس آدمی ہے۔ تو مجھے حضرت محمد ﷺ سے وعدہ توڑنے کے لیے کہے گا جب کہ میں نے ان سے معاہدہ کیا ہے۔ میں نے ان سے وفا اور سچائی ہی دیکھی ہے۔ میرے اور آپ کے درمیان جو معاہدہ ہے میں اسے توڑنے والا نہیں۔ حیی نے کہا: میرے لیے دروازہ کھولو یہاں تک کہ میں تجھ سے بات کروں اور تیرے پاس سے واپس چلا جاؤں۔ کعب نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا۔ حیی نے کہا: تو اس سے ڈرتا ہے کہ میں تیرے ساتھ تیرا دلیا کھاؤں گا۔ کعب غصے ہو گیا اور دروازہ کھول دیا۔ حیی نے کہا: اے کعب! میں تیرے پاس زمانہ کی عزت لایا ہوں۔ میں تیرے پاس قریش اور اس کے سردار لایا ہوں۔ میں تیرے پاس غطفان اور ان کے سردار لایا ہوں انہوں نے باہم معاہدہ کیا ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو جڑ سے اکھیڑ دیں۔ کعب نے اسے کہا:

1۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، غزوۃ الترک والحبشۃ، جلد 2، صفحہ 63

اللہ کی قسم! تو میرے پاس زمانہ کی ذلت لایا ہے تو ایسا بادل لایا ہے جس میں بارش نہیں، تجھ پر افسوس اے حیی! مجھے چھوڑ دے۔ میں وہ کام کرنے والا نہیں جس کی طرف تو مجھے دعوت دیتا ہے۔ حیی لگاتار کعب سے وعدہ، وعید کرتا رہا اسے دھوکہ دیتا رہا یہاں تک کہ کعب نے اس کی طرف رجوع کر لیا اور اس نے حیی سے اس امر پر معاہدہ کر لیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ دے گا اور حیی کا ساتھ دے گا۔ حیی بن اخطب نے کعب سے کہا: اگر قریش اور غطفان واپس چلے گئے تو میں ان یہودیوں کے ساتھ تیرے پاس آجاؤں گا جو میرے ساتھ ہیں۔ جب کعب اور حیی کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ جو خزرج کے سردار تھے اور حضرت سعد بن معاذ جو اوس کے سردار تھے کو بھیجا ان دونوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت خوات بن جبیر کو بھی بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''بنو قریظہ کی طرف جاؤ اگر وہ بات درست ہو جو ہم سے کی گئی ہے تو ذومعنی انداز میں ہم سے بات کرنا اور لوگوں کی قوت کو منتشر نہ کرنا اگر وہ بات جھوٹ ہو تو اعلانیہ بات کرنا''۔ وہ صحابہ چلے یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچے تو ان کو اس سے ابتر حالت میں پایا جو ان کے بارے میں بات کی گئی تھی۔ اور جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات سنی تھی۔ انہوں نے کہا: ہمارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی عہد نہیں۔

حضرت سعد بن معاذ نے انہیں برا بھلا کہا اور انہوں نے حضرت سعد بن معاذ کو برا بھلا کہا۔ ان میں بات تیز ہونے لگی۔ حضرت سعد بن عبادہ نے حضرت سعد سے کہا: ان کو برا بھلا نہ کہو ہمارے اور ان کے درمیان معاملہ اس سے آگے بڑھ چکا ہے پھر حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ واپس آئے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمانوں کی جماعت میں پہنچے دونوں نے عرض کی: عضل والقارۃ دونوں عضل اور قارہ کے دھوکہ کا اشارۃً ذکر کر رہے تھے جو اصحاب رجیع حبیب اور اس کے ساتھی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے مسلمانوں کی جماعت! تمہیں بشارت ہو''۔ اس موقعہ پر آزمائش بڑھ گئی اور خوف شدید ہو گیا۔ مسلمانوں پر دشمن ان کی اوپر کی جانب سے یعنی مشرق کی جانب سے وادی کے اوپر سے اور ان کے نیچے کی جانب سے یعنی وادی کے بطن سے مغرب کی جانب سے آگیا، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں گمانات کرنے لگے اور منافقوں نے وہ کچھ ظاہر کر دیا جس کو وہ پہلے چھپائے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: ہمارے گھر الگ تھلگ ہیں ہم ان کی طرف جاتے ہیں کیونکہ ہمیں ان کے بارے میں خوف ہے۔ جس نے یہ بات کی وہ اوس بن قیظی تھا۔ ان میں سے کچھ نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کسریٰ و قیصر کے خزانوں کے فتح ہونے کا وعدہ کرتے ہیں اور آج ہم میں سے ایک قضائے حاجت کو جانے کے لیے محفوظ نہیں جس نے یہ کہا: وہ معتب بن قشیری جو بنی عمرو بن عوف میں سے تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین بیس دن سے اوپر تقریباً ایک ماہ تک مقیم رہے ان کے درمیان کوئی جنگ نہ ہوئی مگر تیر اندازی اور پتھر برسائے جاتے رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں پر آزمائش سخت ہو گئی ہے تو آپ نے عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف مری کی طرف پیغام بھیجا یہ دونوں غطفان کے قائد تھے انہیں مدینہ طیبہ کی فصل کا ایک تہائی دینے کا وعدہ کیا تاکہ وہ لوگوں کو لے کر چلے جائیں اور قریش کا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنی قوم کے ساتھ ان سے واپس

چلے جائیں۔ یہ گفتگو بہلانے پھسلانے کے لیے تھی یہ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ انہوں نے رجوع کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ دونوں راضی ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر ان دونوں سے کیا اور ان سے مشورہ کیا۔ دونوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ ایسا امر ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں تو آپ کی رضا کے لیے ایسا کریں گے یا ایسی شے ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے تو ہم اس کو پسند اور اطاعت کریں یا یہ ایسا امر ہے جو آپ ہماری سہولت کے لیے کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: ''بلکہ یہ ایسا امر ہے جسے میں تمہارے لیے کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا مگر اسی وقت جب میں عربوں کو دیکھوں کہ وہ سب تمہیں ایک کمان سے تیر مار رہے ہیں''۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم! ہم اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے، ہم اس کی پہچان نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے کبھی اس کی طمع بھی نہیں کی کہ وہ ہمارے پھل کو حاصل کریں مگر خرید کر یا ضیافت کے طور پر۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام سے نوازا ہماری اس کی طرف رہنمائی کی اور آپ کے ساتھ ہمیں عزت بخشی تو ہم انہیں اپنے مال نہیں دیں گے مگر تلوار کے ساتھ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہو گئے فرمایا: ''انتم ذاك'' تمہیں اختیار ہے وہی کرو جو تمہیں پسند ہے۔

آپ نے عیینہ اور حارث سے فرمایا: ''دونوں واپس چلے جاؤ تمہارے لیے ہمارے پاس تلوار کے سوا کچھ نہیں''۔ حضرت سعد نے صحیفہ لیا اس میں کوئی شہادت نہیں تھی تو آپ نے اسے مٹا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرک اسی حال پر رہے مشرک ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے ان کے درمیان کوئی جنگ وغیرہ نہیں ہو رہی تھی، مگر قریش کے شاہسوار جن میں عمرو بن عبدود عامری جو بنو عامر بن لوی سے تعلق رکھتا تھا، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب فہری یہ قریش کے شاہسوار اور ان کے بہادر لوگ تھے وہ آئے اور خندق پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ جب انہوں نے خندق کو دیکھا انہوں نے کہا: یہ تو خفیہ تدبیر ہے عرب تو خفیہ تدبیر نہیں کرتے تھے۔ پھر انہوں نے خندق کی تنگ جگہ کا قصد کیا انہوں نے گھڑ سواروں کو دوڑایا گھوڑے انہیں لے کر اس میں داخل ہوئے اور انہوں نے خندق کو عبور کر لیا اور یہ لوگ خندق اور سلع پہاڑ کے درمیان آئے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ انہیں اس آسان راستہ (جگہ) پر آلیا جہاں سے وہ داخل ہوئے تھے شاہسوار ان کی طرف متوجہ ہوئے عمرو بن عبدود کو غزوہ بدر کے موقع پر زخم لگا تھا اور وہ غزوۂ احد میں حاضر نہ تھا۔ اس نے غزوۂ خندق کے موقع پر ارادہ کیا کہ اس کے مقام و مرتبہ کو دیکھا جائے۔ جب وہ اور اس کا گھوڑا کھڑا ہوا تو اس نے آواز دی: کون مقابلہ کرے گا؟ حضرت علی شیر خدا اس کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اسے فرمایا: اے عمر! جو ہمیں خبر پہنچی ہے کہ تو نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ تجھے دو باتوں میں ایک کی دعوت دی جائے گی تو ان دونوں میں سے ایک کو ضرور اپنا لے گا۔ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: میں تجھے اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اس نے کہا: مجھے اس کی کوئی

حاجت نہیں۔ فرمایا: میں تجھے مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اس نے کہا: اے بھتیجے! اللہ کی قسم! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں تجھے قتل کروں اس کی وجہ میرے اور تیرے والد کے درمیان تعلقات تھے۔ حضرت علی شیر خدا نے اسے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔ عمرو بن عبدود کو غیرت آئی اور وہ گھوڑے سے اتر آیا۔ اور اس کی کونچیں کاٹ دیں اور حضرت علی شیر خدا کی طرف چلا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نیچے اترنے کا کہا۔ دونوں نے چکر لگایا، دونوں کے درمیان غبار اڑا یہاں تک کہ غبار دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ غبار نہ چھٹا یہاں تک حضرت علی شیر خدا کو دیکھا گیا کہ آپ عمرو کے سینہ پر ہیں اور اس کا سر کاٹ رہے ہیں۔ جب عمرو کے ساتھیوں نے دیکھا کہ حضرت علی شیر خدا نے اسے قتل کر دیا ہے تو وہ شکست کھا کر بھاگتے ہوئے اپنے گھوڑوں کے ساتھ آسان راستہ سے داخل ہوتے ہوئے نکل گئے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کہا:

نصر الحجارةَ من سفاهة رأيِه ‌ ‌ و نصرتُ دِينَ محمد بِضراب

نازلته فتركته متجدِّلا ‌ ‌ كالجِذْع بين دَكادِكٍ و رَوَابي

و عففتُ عن أثوابه ولو أنني ‌ ‌ كنت المقطّرَ بزَّني أثوابي

لا تحسِبُنّ الله خاذلَ دينه ‌ ‌ و نبيه يا معشر الأحزاب(1)

اس نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے پتھر کی مدد کی اور میں نے وار کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کی۔ میں نے اسے دعوت مبارزت دی اور میں نے اسے یوں چھوڑا کہ وہ زمین کے ساتھ لگا ہوا تھا جس طرح تنا ہوتا ہے نرم ریت اور اٹھی ہوئی زمین کے درمیان۔ میں نے اس کے لباس سے اپنا ہاتھ کھینچے رکھا اگر میں زمین پر پہلو کے بل گرا ہوتا تو وہ میرے کپڑے چھین لیتا۔ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں گمان نہ کرو کہ وہ اپنے دین اور اپنے نبی کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا اے مختلف جماعتوں کے گروہ!

ابن ہشام نے کہا: اکثر اہل علم ان اشعار کی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ ابن ہشام نے کہا: عکرمہ بن ابی جہل نے اس روز اپنا نیزہ پھینکا جب کہ وہ عمرو کو چھوڑ کر بھاگنے والا تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کہا:

فرَّ وألقى لنا رُمْحَه ‌ ‌ لعلّك عِكرِمَ لم تَفْعل

وولّيت تعدو كعَدْو الظّلِيم ‌ ‌ ما إن تجور عن المَعْدِلِ

ولم تُلق ظهرك مستأنسًا ‌ ‌ كأن قفاك قفا فُرْعُلْ

وہ بھاگا اور اس نے ہمارے لیے اپنا نیزہ پھینک دیا اے عکرمہ! شاید تو نے ایسا نہیں کیا تو ظلیم کی طرح بھاگتے ہوئے مڑ گیا تو معدل پھرنے کی جگہ سے نہیں بھاگتا تھا۔ تو اپنی پشت خوشی سے سامنے نہیں کرتا گویا تیری گدی فرعل کی گدی ہے۔

ابن ہشام نے کہا: فرعل چھوٹا بجو ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنی حارثہ کے قلعہ میں تھیں حضرت سعد بن معاذ کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1512

والدہ آپ کے ساتھ تھیں حضرت سعد نے ایسی ذرہ زیب تن کر رکھی تھی جو بڑی گھنی تھی۔ اس سے آپ کا بازو باہر تھا ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ تھا۔ وہ کہہ رہے تھے:

لَبِّثْ قليلًا يلحق الهَيْجَا حَمَلْ لا بأس بالموت إذا كان الأجَلْ(1)

اس روز حضرت سعد بن معاذ کو ایک تیر مارا گیا جس نے ان کے بازو کی درمیانی رگ کو کاٹ دیا جس نے تیر مارا اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حبان بن قیس بن عرفہ نے تیر مارا جو بنی عامر بن لؤی کا ایک فرد تھا۔ جب اس نے تیر مارا تو اس سے کہا: خذها وأنا ابن العرقه اسے لو میں ابن عرفہ ہوں۔ حضرت سعد نے اسے کہا: عرق الله وجهك في النار الله تعالیٰ تیرے چہرے کو آگ میں شرابور کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس شخص نے آپ کو تیر مارا وہ خفاجہ بن عاصم بن حبان تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے آپ کو تیر مارا وہ ابو اسامہ جشمی تھا، جو بنو مخزوم کا حلیف تھا۔ حضرت حسان کی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کے ساتھ ایک دلچسپ گفتگو ہے جسے ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قلعہ میں تھے۔ حضرت حسان ہمارے ساتھ عورتوں اور بچوں میں تھے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دشمن کے سامنے تھے وہ ہماری طرف نہیں آسکتے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک یہودی وہاں چکر لگا رہا ہے۔ میں نے حضرت حسان سے کہا: اس کی طرف جاؤ اور اسے قتل کر دو، انہوں نے کہا: اے بنت عبد المطلب! میں اس کام کے لائق نہیں ہوں۔ حضرت صفیہ نے خیمہ کے ستون کی ایک لکڑی لی آپ نیچے اتریں اور اسے قتل کر دیا۔ میں نے کہا: اے حسان! نیچے جاؤ اور اس کا لباس چھین لو مجھے کوئی چیز اس کا لباس و اسلحہ چھیننے سے نہیں روکتی تھی مگر یہ کہ وہ ایک مرد ہے۔ حضرت حسان نے کہا: اے بنت عبد المطلب! مجھے اس کے کپڑے چھیننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو میں نیچے اتری اور اس کا اسلحہ وغیرہ لے لیا۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: اہل سیر میں سے ایک جماعت نے اس کا انکار کیا انہوں نے کہا: اگر حضرت حسان میں وہ بزدلی ہوتی جس کا تم نے ذکر کیا ہے تو اس بارے میں وہ لوگ ان کی ہجو کرتے جن کی حضرت حسان دور جاہلیت اور دور اسلام میں ہجو کیا کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے ان کے بیٹے عبد الرحمن کی ہجو کی جاتی کیونکہ حضرت حسان عرب شعراء میں سے کثیر لوگوں کی ہجو کیا کرتے تھے جس طرح نجاشی وغیرہ۔

مسئلہ نمبر 6۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعیم بن مسعود بن عامر اشجعی حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہو چکا ہوں میری قوم میرے اسلام لانے سے آگاہ نہیں مجھے جو چاہیں حکم دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''تو غطفان کا ایک آدمی ہے اگر تو چلا جائے اور ہم سے الگ تھلگ ہو جائے اگر تو طاقت رکھے تو یہ امر ہمارے نزدیک تیرے ہمارے ساتھ باقی رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہے تو چلا جا بے شک جنگ ایک چال ہے'' (2)۔

نعیم بن مسعود وہاں سے نکلے اور بنو قریظہ کے پاس آئے یہ دور جاہلیت میں ان کے دوست تھے کہا: اے بنو قریظہ! تم

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1515 2۔ السیرۃ النبویۃ، جلد 3، صفحہ 171، انوار محمدیہ قاہرہ

اپنے لیے میری محبت کو پہچانتے ہو۔ اور میرے اور تمہارے درمیان جو تعلقات ہیں انہیں بھی جانتے ہو۔ انہوں نے کہا: کہو جو کچھ کہنا چاہتے ہو تو ہمارے نزدیک ایسا نہیں جس پر تہمت لگائی جائے۔ نعیم بن مسعود نے انہیں کہا: قریش اور غطفان ان کی حالت اس طرح نہیں جس طرح تمہاری حالت ہے ملک تمہارا ہے اس میں تمہاری اولادیں، تمہارے بیٹے اور تمہاری عورتیں ہیں۔ قریش اور غطفان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ سے جنگ کرنے کے لیے آئے ہیں جب کہ تم نے ان کی مدد کی ہے مگر انہوں نے کوئی موقع پایا تو وہ اس سے فائدہ اٹھالیں گے اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو وہ اپنے اپنے مکوں کو چلے جائیں گے اور تمہارے اور اس بستی کے درمیان میدان خالی چھوڑ دیں گے، جب کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تمہارے پاس طاقت نہیں تم قوم کے ساتھ مل کر جنگ نہ کرو یہاں تک کہ تم ان سے کوئی چیز رہن رکھو۔ پھر وہ وہاں سے نکلے اور قریش کے پاس آئے ان سے کہا: اے قریش کی جماعت! تم اپنے لیے میری محبت کو جانتے ہو۔ اور حضرت محمد سے جو میری جدائی اور دوری ہے اسے بھی جانتے ہو۔ مجھے ایک خبر پہنچی ہے میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ اخلاص کے تعلقات کی بنا پر تم تک وہ پیغام پہنچاؤں۔ اسے اپنی ذات تک رکھنا۔ قریش نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے۔ کیا تم جانتے ہو یہودی اس بات پر شرمندہ ہیں جو انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ توڑا ہے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا ہے ہم اپنے کیے پر نادم ہیں کیا یہ بات آپ کو خوش کرتی ہے کہ ہم قریش و غطفان میں سے اشراف کو پکڑیں اور آپ کے حوالے کر دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گردنیں اڑادیں۔ پھر ہم آپ کے ساتھ رہیں یہاں تک کہ ان لوگوں کو نیست نابود کر دیں۔ پھر وہ غطفان کے پاس آئے اور اسی قسم کی گفتگو کی جب ہفتہ کی رات تھی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے رسول اور مومنوں کے لیے بڑا احسان ہوا کہ ابوسفیان نے عکرمہ بن ابی جہل کو قریش اور غطفان کے چند افراد کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا تا کہ انہیں کہیں: ہم اپنے گھر بیٹھے ہوئے نہیں۔ اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو رہے ہیں۔ اگلے روز جنگ کے لیے نکلو تا کہ ہم (حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنا حساب بے باک کریں۔ بنو قریظہ نے ان کی طرف پیغام بھیجا: یہ دن تو ہفتہ کا دن ہے اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جس نے ہفتہ کو حد سے تجاوز کیا اس وجہ سے ہمیں کیا مصیبت آئی۔ ساتھ ہی ساتھ ہم تمہارے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے یہاں تک کہ تم ہمیں کوئی چیز رہن کے طور پر دو۔ جب قاصد اس پیغام کے ساتھ واپس آیا تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! نعیم بن مسعود نے ہم سے سچ کہا۔ اور قاصد ان کی طرف واپس بھیجے اور کہا: اللہ کی قسم! ہم کبھی بھی تمہیں رہن کے طور پر کوئی چیز نہیں دیں گے اگر چاہو تو ہماری مدد کے لیے جنگ کے لیے نکلو ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔ بنو قریظہ نے کہا: اللہ کی قسم! نعیم بن مسعود نے سچ بولا۔ اللہ تعالیٰ نے سخت سردی کی راتوں میں تیز ہوا بھیجی ہوا ان کے برتنوں کو الٹ پلٹ کر رہی تھی اور ان کی ہانڈیوں کو الٹا رہی تھی۔

مسئلہ نمبر 7۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اختلاف کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان کو بھیجا تا کہ ان کی خبر لے آئیں۔ حضرت حذیفہ ان کے پاس آئے اور ان کی انبوہ میں چھپ گئے۔ حضرت حذیفہ نے ابوسفیان کو یہ کہتے ہوئے سنا: اے قریش کی جماعت! ہر آدمی اپنے ساتھی کی پہچان کر لے۔ حضرت حذیفہ نے کہا: میں نے اپنے

ساتھ بیٹھنے والے کا ہاتھ پکڑا اور کہا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں فلاں بن فلاں ہوں۔ پھر ابوسفیان نے کہا: اے قریش کی جماعت! تم ہلاک ہو۔ اللہ کی قسم! تم اپنے گھروں میں نہیں ہو۔ گھوڑے اور اونٹ ہلاک ہو رہے ہیں۔ بنوقریظہ نے ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے۔ اور ہم نے یہ ہوا پائی ہے جسے تم دیکھ رہے ہو ہمارے لیے نہ خیمہ قائم رہتا ہے نہ ہنڈیا چولے پر ٹھہرتی ہے اور نہ ہی ہماری آگ جلتی ہے۔ چلو کوچ کرو میں تو کوچ کرنے والا ہوں۔ اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا اور اس کا ڈھنگا نہ کھولا مگر کھڑے کھڑے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد ملحوظ نہ ہوتا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بھیجتے وقت لیا تھا مجھے فرمایا تھا: ''قوم کی طرف جاؤ، جس حالت پر وہ ہیں اس کو جانو اور کوئی نیا کام نہ کرنا''۔ تو میں تیر سے اسے قتل کر دیتا۔ پھر ان کے کوچ کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے پایا آپ کے جسم پر آپ کی ازواج میں سے کسی کی منقش چادر تھی۔ ابن ہشام نے کہا: مراجل سے مراد یمن کی منقش چادروں میں سے ایک قسم کی چادر ہے (1)۔ میں نے آپ کو خبر دی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔

میں کہتا ہوں: حضرت حذیفہ کا یہ واقعہ صحیح مسلم میں مذکور ہے اس میں عظیم نشانیاں ہیں (2) اس واقعہ کو جریر نے اعمش سے وہ ابراہیم تیمی سے وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی نے کہا: اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتا تو میں آپ کی معیت میں جہاد کرتا اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا۔ حضرت حذیفہ نے کہا: تو ایسا کرتا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیلۃ الاحزاب کو اپنے آپ کو دیکھا ہمیں سخت آندھی اور ٹھنڈک نے آلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو میرے پاس قوم کی خبر لائے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے معیت عطا کرے گا''۔ ہم سب خاموش ہو گئے۔ اور ہم میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ فرمایا: ''اے حذیفہ! اٹھو اور ہمارے پاس قوم کی خبر لاؤ''۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام لیا تو میرے لیے اٹھنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا۔ فرمایا: ''جاؤ اور قوم کی خبر میرے پاس لاؤ۔ انہیں خوفزدہ کر کے میری طرف متوجہ نہ کر دینا''۔ کہا: جب میں آپ کے پاس سے اٹھا تو گویا میں حمام میں چل رہا تھا یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچا میں نے ابوسفیان کو دیکھا جو آگ سے اپنی پشت کو تاپ رہا تھا۔ میں نے تیر کمان پر چڑھایا تو میں نے اسے تیر مارنے کا ارادہ کیا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد آ گیا۔ ولا تذعرھم علی انہیں خوفزدہ کر کے میری طرف متوجہ نہ کرنا۔ اگر میں اس کو تیر مارتا تو اس کو مار سکتا تھا۔ میں واپس پلٹا میں اس طرح چل رہا تھا جس طرح حمام میں چلتا ہوں جب میں آپ کے پاس آیا تو میں نے قوم کے معاملات کا بتایا۔ میں فارغ ہوا تو مجھے ٹھنڈ لگنا شروع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے باقی ماندہ چادر اوڑھا دی، جس میں آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں سویا رہا یہاں تک کہ میں نے صبح کی۔ جب میں نے صبح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قم یا نومان اے سونے والے اٹھو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی تو لشکر جا چکے تھے۔ آپ مدینہ طیبہ کی طرف لوٹے اور مسلمانوں نے اپنا اسلحہ رکھ دیا تو حضرت جبریل امین حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آئے آپ ایک خچر پر سوار تھے جس پر ریشم کا ایک کپڑا تھا حضرت جبریل امین نے آپ

1۔ السیرۃ النبویۃ، جلد 3، صفحہ 174

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 107

سے عرض کی: اے محمد! اگر تم نے اپنا اسلحہ اتار دیا ہے تو فرشتوں نے اپنا اسلحہ نہیں اتارا۔ اللہ تعالیٰ تجھے حکم دیتا ہے کہ بنو قریظہ کی طرف نکلیں میں ان کی طرف جانے والا ہوں اور ان پر ان قلعوں کو جھنجھوڑنے والا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو حکم دیا، تو اس نے ندا کی یہی؛ آٹھواں مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ کوئی آدمی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ کے علاقہ میں نماز پڑھے (1)؛ کچھ لوگوں کو خوف ہوا کہ وقت فوت ہو جائے گا تو انہوں نے بنو قریظہ کے علاقہ سے پہلے ہی نماز پڑھ لی۔ دوسروں نے کہا: ہم عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیں اگر چہ وقت فوت ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق کے بارے میں سختی نہ کی۔ اس میں یہ فقہی حکم ملتا ہے کہ مجتہد جس نتیجہ پر پہنچے وہ درست ہے۔ یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جب تیر لگا تو آپ نے اپنے رب سے دعا کی عرض کی: اے اللہ! اگر تو نے قریش کے ساتھ جنگ کو باقی رکھا ہے تو مجھے بھی اس کے لیے باقی رکھ کیونکہ کوئی ایسی قوم نہیں جس سے میں جہاد کرنا پسند کرتا ہوں اس قوم سے بڑھ کر جس نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور آپ کو آپ کے وطن سے نکالا۔ اے اللہ! اگر تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کو ختم کر دیا تو اسی زخم کو میرے لیے شہادت بنا دے اور مجھے موت عطا نہ کر یہاں تک کہ بنو قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں (2)۔

ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ قلعہ فارع میں اور بھی عورتیں تھیں جب کہ آپ کے جسم پر گھنی بنی ہوئی زرہ تھی جس کی آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں۔ آپ پر زردی کے آثار تھے اور آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

لَبِثْ قَلِيلًا يُدْرِكِ الْهَيْجَا جَمَلْ　　لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ إِذَا حَانَ الْأَجَلْ

تھوڑا ٹھہر کہ جنگ حمل کو پالے موت میں کوئی حرج نہیں جب اجل کا وقت آ چکا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حضرت سعد کے بارے میں مجھے یہی خوف تھا کہ آپ کی اطراف سے ہی کوئی تیر لگے گا تو آپ کی اکحل (بازوؤں کی درمیانی رگ) میں تیر لگا (3)۔

ابن وہب اور ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا حضرت سعد بن معاذ سے بڑھ کر کوئی خوبصورت مرد نہیں دیکھا۔ ان کی اکحل میں تیر لگا۔ آپ نے دعا کی: اگر قریظہ سے جنگ میں کوئی چیز باقی نہیں بچی تو مجھے قبض کر لے اگر کوئی چیز باقی ہے تو مجھے باقی رکھ یہاں تک کہ میں تیرے رسول کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے جنگ کروں۔ جب بنو قریظہ کا فیصلہ ہو چکا تو آپ کا وصال ہو گیا۔ لوگ خوش ہوئے اور کہا: ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کی دعا قبول ہوئی (4)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب، جلد 2، صفحہ 591　　2۔ السیرۃ النبویہ، جلد 3، صفحہ 169

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1514　　4۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1515

مسئلہ نمبر 9۔ جب مسلمان بنو قریظہ کی طرف نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا کو جھنڈا عطا فرمایا اور مدینہ طیبہ پر حضرت ابن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر کیا حضرت علی شیر خدا اور ان کے ساتھ ایک طائفہ اٹھا یہاں تک کہ بنو قریظہ تک پہنچے اور انہیں اپنے قلعوں سے نیچے اترنے کا کہا اور انہوں نے سنا بنو قریظہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے رہے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس پلٹ آئے۔ عرض کی: ان تک نہ پہنچیے اور اشارۃً بات کی رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: ''میرا گمان ہے تو نے ان سے سنا کہ وہ مجھے گالیاں دے رہے ہیں اگر وہ مجھے دیکھیں گے تو وہ اس چیز سے رک جائیں گے'' (1)۔ آپ ان کی طرف اٹھے جب یہودیوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو وہ رک گئے۔ انہیں ارشاد فرمایا: ''اے بندرو کے بھائیو! تم نے وعدہ خلافی کی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل و رسوا کیا اور تم پر اپنا عذاب نازل کر دیا''۔ انہوں نے کہا: تو جاہل نہیں اے محمد! ہم پر جہالت کی باتیں نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور بیس سے اوپر دن ان کا محاصرہ کیا۔

بنو قریظہ کے سردار کعب نے ان پر تین باتیں پیش کیں تاکہ ان میں سے جو چاہیں اپنا لیں۔ یا تو سب مسلمان ہو جاؤ اور حضرت محمد ﷺ کی پیروی کرو ان باتوں میں جو وہ پیغام لائے ہیں اور سلامتی پا ئیں کہا: اپنے احوال، اپنی عورتیں اور اپنے بچے محفوظ کر لو، اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ یہ وہی ہے جسے تم اپنی کتابوں میں لکھا پاتے ہو۔ یا وہ اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کو قتل کر دیں پھر وہ مسلمانوں کی طرف آگے بڑھیں تو وہ قتال کریں گے یہاں تک کہ ان کا آخری آدمی مر جائے یا ہفتہ کی رات مسلمانوں پر حملہ کر دیں جس رات انہیں حملہ سے اطمینان ہوگا، تو ان سب کو قتل کر دو۔ بنو قریظہ نے کعب سے کہا: جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو ہم اسلام نہیں لائیں گے اور تورات کے حکم کی مخالفت نہیں کریں گے۔ جہاں تک ہمارا اپنے بیٹوں اور عورتوں کے قتل کا تعلق ہے تو ہمارے قتل کرنے سے ان مسکینوں کو ہماری طرف سے کیا جزا ملے گی۔ اور ہم ہفتہ کے روز تو حد سے تجاوز نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے حضرت ابولبابہ کو بلا بھیجا بنو قریظہ بنی عمرو بن عوف اور باقی اوس کے حلیف تھے۔ حضرت ابولبابہ ان کے پاس آئے بنو قریظہ نے اپنے بیٹے، اپنی عورتیں اور اپنے مرد سب ان کے لیے جمع کر دیئے انہوں نے حضرت ابولبابہ سے کہا: اے ابولبابہ! تمہاری کیا رائے ہے ہم حضرت محمد ﷺ کے فیصلے پر اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئیں؟ حضرت ابولبابہ نے فرمایا: ہاں۔ اور اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر حضرت ابولبابہ اس وقت شرمندہ ہوئے اور انہیں علم ہو گیا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے اور یہ ایسا امر ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے مخفی نہیں رکھے گا۔ حضرت ابولبابہ مدینہ طیبہ کی طرف چلے گئے اور نبی کریم ﷺ کی طرف نہ لوٹے اور اپنے آپ کو ستون کے ساتھ باندھ دیا اور قسم اٹھائی کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے۔ ان کی بیوی ہر نماز کے وقت انہیں کھول دیتی۔ ابن عیینہ اور دوسرے علماء نے کہا: انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ (الانفال: 27) (2) اور یہ

---

1 . . . . . ، جلد 4، صفحہ 453 2۔ السیرۃ النبویہ، جلد 3، صفحہ 179

قسم اٹھائی کہ وہ بنو قریظہ کے علاقہ میں کبھی نہیں جائیں گے کیونکہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں ان سے گناہ سرزد ہوا۔ جب نبی کریم ﷺ کو حضرت ابولبابہ کے عمل کے بارے اطلاع ہوئی۔

فرمایا: ''خبردار اگر وہ میرے پاس آتا تو میں اس کے حق میں بخشش طلب کرتا جب اس نے یہ فعل خود کیا ہے تو میں اسے نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ الله تعالیٰ اسے آزاد کردے'' (1) الله تعالیٰ نے حضرت ابولبابہ کے بارے میں اس آیت کو نازل فرمایا: وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ (توبہ: 106) جب اس کے متعلق قرآن حکیم نازل ہوا تو رسول الله ﷺ نے اس کے آزاد کرنے کا حکم دے دیا جب بنو قریظہ نے صبح کی تو وہ رسول الله ﷺ کے فیصلہ پر قلعوں سے نیچے اتر آئے۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے رسول الله ﷺ پر بھیڑ کر لی۔ عرض کی: یا رسول الله! ﷺ آپ جانتے ہیں کہ یہ ہمارے حلیف ہیں آپ نے عبدالله بن ابی بن سلول کی بنو نضیر کے بارے میں بات مانی جو خزرج کے حلیف تھے ہمارا حصہ و مقام کسی اور کے حصہ اور مقام سے کم نہیں یہ ہمارے حلیف ہیں۔ رسول الله ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے قبیلہ اوس کی جماعت! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں میں سے ایک آدمی ان کے بارے میں فیصلہ کرے'' (2)۔ انہوں نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: ''یہ معاملہ حضرت سعد بن معاذ کے سپرد ہے''۔ رسول الله ﷺ نے مسجد میں ان کے لیے خیمہ لگوایا تھا تاکہ وہ زخم جو انہیں غزوہ خندق میں لگا اس کی قریب سے تیارداری کر سکیں۔ حضرت سعد نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا کہ ان میں سے جو جنگ کے قابل ہیں ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

رسول الله ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو الله تعالیٰ نے چوتھے آسمان پر کیا ہے'' (3)۔ رسول الله ﷺ نے ان کے بارے میں حکم دیا تو انہیں اس جگہ کی طرف لے جایا گیا جہاں آج بازار ہے (مراد حضرت ابن اسحاق کے زمانہ میں جہاں بازار تھا) وہاں خندقیں کھودی گئیں پھر حضور ﷺ نے حکم دیا تو ان خندقوں میں ان کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ اس روز حیی بن اخطب اور کعب بن اسد کو قتل کر دیا گیا۔ یہ دونوں قوم کے سردار تھے۔ ان لوگوں کی تعداد چھ سے سات سو تھی۔ حیی پر گلابی رنگ کا حلہ تھا اس نے اس کو ہر جانب سے پورا پورا سوراخ کر دیا تھا تاکہ اس کو اس کے جسم سے اتارا نہ جائے۔ جب اس نے رسول الله ﷺ کو دیکھا جب اسے لایا گیا اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ رسی سے باندھے گئے تھے اس نے کہا: الله کی قسم! میں آپ کے ساتھ دشمنی پر اپنے آپ کو ملامت نہیں کرتا۔

ولکنہ من یخذل الله یخذل (4)

لیکن جسے الله تعالیٰ بے یار و مددگار چھوڑ دے اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر اس نے کہا: اے لوگو! الله کے حکم کے سامنے کسی کو مجال نہیں کتاب، تقدیر اور ملحمہ قتل بنی اسرائیل پر لکھا جا چکا تھا۔ پھر وہ بیٹھا اور اس کی گردن اڑا دی گئی۔ ان کی عورتوں میں سے صرف ایک عورت قتل کی گئی۔ یہ بنانہ تھی جو حکم قرظی کی بیوی تھی جس نے حضرت خلاد بن سوید پر چکی پھینکی تھی اور

1۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 171 2۔ ایضاً، جز 21، صفحہ 172 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

انہیں قتل کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بچوں میں سے ہر اس بچے کو قتل کرنے کا حکم دیا جس کے بال اگ آئے تھے اور جن کے بال نہیں اگے تھے ان کو چھوڑ دیا۔ عطیہ قرظی کے بال نہیں اگے تھے رسول اللہ ﷺ نے اسے زندہ رہنے دیا۔ اس کا ذکر صحابہ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس کو زبیر بن باطا کی اولاد ہبہ کی۔ انہوں نے انہیں زندہ رہنے دیا۔ ان میں عبدالرحمن بن زبیر مسلمان ہوا اور اس کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضور ﷺ نے رفاعہ بن سموءل قرظی، حضرت ام منذر سلمی بنت قیس کو ہبہ کیا جو سلیط بن قیس کی بہن تھی یہ بنو نجار میں سے تھا یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی نماز پڑھی حضرت رفاعہ مسلمان ہوئے انہیں صحابیت کا شرف حاصل ہے اور ان کی روایات بھی ہیں۔

ابن وہب اور ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس، ابن باطا کے پاس آئے ابن باطا کا حضرت ثابت پر احسان تھا۔ کہا: میں نے تجھے رسول اللہ ﷺ سے اس لیے بطور ہبہ طلب کیا تھا، کیونکہ تیرا مجھ پر ایک احسان تھا۔ ابن باطا نے کہا: کریم، کریم کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا: ایک ایسا آدمی کس طرح زندگی بسر کر سکتا ہے جس کا نہ بچہ ہو اور نہ ہی بیوی ہو؟ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کے بارے اس امر کا ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن باطا کو اس کے بچے اور اس کی بیوی واپس کر دی۔ حضرت ثابت اس کے پاس آئے اور سب کچھ بتایا۔ اس نے کہا: ایک آدمی کیسے زندگی بسر کر سکتا ہے جس کے پاس مال ہی نہ ہو؟ حضرت ثابت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مال کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کا مال بھی دے دیا۔ حضرت ثابت اس کی طرف آئے اور اسے بتایا۔ اس نے پوچھا: ابن ابی حقیق کا کیا بنا جس کا چہرہ گویا چینی آئینہ تھا؟ آپ نے فرمایا: اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا مجلسان یعنی بنی کعب بن قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کا کیا ہوا؟ فرمایا: وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ اس نے پوچھا: دونوں جماعتوں کا کیا ہوا؟ فرمایا: دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس نے کہا: میں تیرے ذمہ سے بری ہوں میں کبھی بھی کھجوروں کے باغ کو پانی نہیں دوں گا۔ مجھے بھی ان کے ساتھ لاحق کر دو۔ حضرت ثابت نے اسے قتل کرنے سے انکار کر دیا تو اسے کسی اور نے قتل کر دیا۔ ابن باطا کا حضرت ثابت پر جو احسان تھا وہ یہ کہ یوم بعاث کو ان کو قیدی بنا لیا گیا ابن باطا نے ان کی پیشانی کے بال کاٹے اور انہیں آزاد کر دیا۔

مسئلہ نمبر 10۔ رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کے مال تقسیم کیے۔ آپ نے شاہسوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ عطا فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شاہسوار کے لیے دو اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔ اس دن مسلمانوں کے چھتیس گھوڑے تھے۔ ان کے قیدیوں میں سے رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں ریحانہ بنت عمرو بن جنافہ جو بنی عمرو بن قریظہ میں تھی آئی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی رہی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ مال غنیمت تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے شاہسوار اور پیدل کے درمیان تقسیم کیا۔ یہ وہ پہلی غنیمت تھی جس میں خمس معین کیا۔ جب کہ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ پہلی غنیمت حضرت عبداللہ بن جحش کے لشکر سے حاصل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ابو عمر نے کہا: اس میں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ (الانفال: 41)

آیت کے نازل ہونے کے بعد بنو قریظہ کی پہلی غنیمت تھی جس میں خمس جاری ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن جحش نے پہلے اپنی مہم میں حاصل ہونے والے مال سے خمس عطا کیا تھا۔ پھر قرآن کا حکم اس طرح نازل ہوا جس طرح انہوں نے کیا۔ یہ چیز ان کے فضائل سے تعلق رکھتی ہے۔

قریظہ کی فتح 5ھ کے ذی تعدہ کے آخر اور ذی الحجہ کے آغاز میں ہوئی تھی۔ جب بنی قریظہ کا معاملہ مکمل ہوا تو فاضل، صالح حضرت سعد بن معاذ کی دعا قبول ہوئی ان کا زخم کھل گیا۔ ان کی رگ خون بہانے لگی۔ ان کا خون جاری ہو گیا اور وہ وصال کر گئے۔ یہی وہ ہستی ہیں جن کے بارے میں حدیث آئی ہے۔ اهتزلموته عرش الرحمن (1) یعنی عرش کے مکین یعنی فرشتے ان کی روح کے آنے کی وجہ سے خوش ہو گئے اور ان کی وجہ سے جھومنے لگے۔ ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے مجھے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا: حضرت سعد بن معاذ کے وصال پر ستر ہزار ایسے فرشتے نازل ہوئے جو اس سے قبل نازل نہیں ہوئے تھے (2)۔ امام مالک نے کہا: غزوۂ خندق کے موقع پر چار یا پانچ مسلمان شہید ہوئے۔

میں کہتا ہوں: غزوۂ خندق کے موقع پر چھ مسلمان شہید ہوئے جن کا ذکر سیرت نگاروں نے کیا ہے۔ حضرت سعد بن معاذ، ابو عمرو جو بنو عبدالاشہل میں سے تھے۔ حضرت انس بن اوس بن عتیک، عبداللہ بن سہل یہ دونوں بنی عبدالاشہل میں سے تھے حضرت طفیل بن نعمان، حضرت ثعلبہ بن غنمہ دونوں بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے حضرت کعب بن زید جو بنو دینار بن نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک اجنبی تیر وہاں آپ کو لگا اور آپ کو قتل کر دیا۔ رضی اللہ عنہم۔

کفار میں سے تین آدمی قتل ہوئے: منبہ بن عثمان بن عبید بن سباق بن عبدالدار۔ اسے ایک تیر لگا جس وجہ سے وہ مکہ مکرمہ میں مر گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ عثمان بن امیہ بن منبہ بن عبید بن سباق تھا۔ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی۔ یہ خندق میں داخل ہوا اور اس میں پھنس گیا اور قتل ہو گیا۔ مسلمان اس کے جسم پر غالب آ گئے۔ زہری نے روایت کی ہے کہ مشرکین نے اس کی لاش حاصل کرنے کے لیے دس ہزار درہم دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہمیں اس کی لاش اور اس کی قیمت سے کوئی غرض نہیں'' (3)۔ اور انہیں لاش لے جانے کی اجازت دے دی۔ عمرو بن عبدود جسے دعوت مبارزت کے بعد حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

غزوۂ قریظہ کے موقع پر مسلمانوں میں سے حضرت خلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو جو بنو حارث بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ ان پر بنو قریظہ کی ایک عورت نے چکی پھینک دی تھی اور آپ کو قتل کر دیا تھا۔ محاصرہ کے موقع پر حضرت ابو سنان بن محصن بن حران اسدی، اخو عکاشہ بن محصن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنو قریظہ کے قبرستان میں دفن کیا جس میں مسلمان اپنی میتیں دفن کرتے ہیں جو وہاں آج رہتے ہیں۔ ان دو افراد کے علاوہ کوئی شہید نہ ہوا۔

غزوۂ خندق کے بعد قریش کے کفار نے مومنوں پر حملہ نہ کیا۔ دارمی ابو محمد نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ یزید

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، مناقب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، جلد 1، صفحہ 536

2۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1515 3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1512

بن ہارون، ابن ابی ذہب سے وہ مقبری سے وہ عبدالرحمن بن ابی اسید خدری سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر ہمارا محاصرہ کیا گیا یہاں تک کہ رات کا لمبا حصہ گزر گیا یہاں تک کہ ہماری کفایت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ (الاحزاب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے اقامت کہی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی تو اس کو اچھی طرح پڑھایا جس طرح وقت میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو انہوں نے عصر کی اقامت کہی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو انہوں نے مغرب کی اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھائی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو حضرت بلال نے عشاء کی اقامت کہی تو آپ نے نماز پڑھائی (1)۔ یہ طریقہ اس سے قبل کا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا (البقرہ: 239) امام نسائی نے بھی اسے نقل کیا ہے یہ مسئلہ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔ ہم نے اس غزوہ کے دس مسائل میں بہت سے احکام ان لوگوں کے لیے ذکر کر دیئے ہیں جو ان میں غور و فکر کریں۔ پھر ہم آیات کے ابتدائی حصہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ یہ انیس آیات ہیں ان چیزوں کو ضمن میں لیے ہوئے ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ جنود سے مراد احزاب ہیں۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا مجاہد نے کہا: ریحا سے مراد صبا ہے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر لشکروں پر ہوا بھیجی گئی یہاں تک کہ اس نے ان کی ہانڈیوں کو الٹ دیا اور ان کے خیموں کو اکھیڑ دیا۔ کہا: جنود سے مراد فرشتے ہیں۔ انہوں نے اس روز جنگ نہیں کی تھی (2)۔ عکرمہ نے کہا: جنوب (ہوا) نے شمال (ہوا) سے احزاب والی رات کو کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لیے چل۔ شمال نے کہا: محوۃ (ہوا کا نام) رات کو نہیں چلتی۔ جو ہوا ان پر بھیجی گئی وہ صبا تھی (3)۔ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''صبا سے میری مدد کی گئی اور دبور (ہوا) سے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا'' (4)۔ یہ ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے معجزہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان احزاب کے بالکل قریب تھے۔ مسلمانوں اور احزاب کے درمیان صرف خندق تھی۔ مسلمان اس سے محفوظ تھے اور مشرکوں پر جو کچھ گزر رہی تھی اس کی انہیں کچھ خبر نہ تھی۔

وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اسے یا کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی مشرکوں نے انہیں نہیں دیکھا۔ مفسرین نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان پر فرشتے بھیجے۔ انہوں نے ان کی میخیں اکھیڑ دیں، خیموں کی رسیاں کاٹ دیں، آگ کو بجھا دیا، ہانڈیوں کو الٹ دیا، گھوڑے ادھر ادھر گھومنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب مسلط کر دیا۔ لشکر کے ارد گرد فرشتے اللہ تعالیٰ کے نعرے کثرت سے لگانے لگے، یہاں تک کہ ہر خیمہ کا سردار کہتا: اے بنو فلاں! میری طرف آؤ، جب وہ جمع ہوتے تو وہ کہتا: النجاء النجاء بچاؤ بچاؤ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب کو بھیج دیا (5)۔

1۔ سنن نسائی، کتاب الصلوۃ، الاذان للفائت، جلد 1، صفحہ 108-107

2۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 214

3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 36-435

4۔ صحیح بخاری، بدء الخلق، فی قولہ تعالیٰ ھو الذی ارسل الریاح، جلد 1، صفحہ 455

5۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 436

وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا اسے یاء کے ساتھ یعملون پڑھا گیا ہے، یہ غائب کا صیغہ ہے یہ ابوعمرو کی قراءت ہے باقی نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی جس نے خندق کو کھودا اور دشمنوں سے بچاؤ کیا۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝

''جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے''۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ، اذ محل نصب میں ہے اس سے پہلے اذکر فعل محذوف ہے اسی طرح وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ (الاحزاب: 13) مِّنْ فَوْقِكُمْ وادی کے اوپر والے حصہ سے یہ مشرق کی جانب اس کا بالائی حصہ ہے۔ اس جانب سے مالک بن نصر، عیینہ بن حصن اہل نجد سے اور طلیحہ بن خویلد اسدی بنو اسد کے ساتھ گیا تھا۔ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وادی کے زیریں علاقہ سے جو مغرب کی جانب تھا، اس جانب سے ابوسفیان بن حرب اہل مکہ کے سردار کی حیثیت سے، یزید بن جحش قریش کے سردار کی حیثیت سے آیا۔ ابو اعور اسلمی، اس کے ساتھ حیی بن اخطب یہودی بنی قریظہ کے یہودیوں کے ساتھ ان کے ساتھ عامر بن طفیل تھا یہ خندق کی جانب سے آئے تھے۔

وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ جب آنکھیں پتھرا گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آنکھیں جھک گئیں۔ خوف کی زیادتی کی وجہ سے دہشت زدہ ہو کر وہ دشمن کی طرف ہی متوجہ تھیں۔ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وہ سینوں میں اپنی جگہوں سے زائل ہو گئے تھے یہاں تک کہ حلقوم تک پہنچ گئے تھے۔ حناجر واحد حنجرۃ ہے(1)۔ اگر حلقوم اس سے تنگ نہ ہوتا تو دل باہر نکل جاتے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: یہ عربوں کے مذہب کے مطابق مبالغہ کے معنی میں ہے اور کا دمضمر ہے کہا:

إذا　ما　غَضِبْنَا　غَضْبَةً　مُضَرِيَّةً　　هتكنا حجاب الشمس أوقطرت دَمَا

''جب ہم مضر غصہ میں ہوتے ہیں تو ہم سورج کے حجاب کو تار تار کر دیتے ہیں قریب ہوتا ہے کہ وہ خون گرانے لگے''۔

یہ کادت تنقض کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: پھیپھڑا خوف کے وقت پھول جاتا ہے اور دل اوپر کو اٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ قریب ہوتا ہے کہ وہ حلقوم تک جا پہنچے۔ اسی وجہ سے بزدل کے بارے میں کہا جاتا ہے: انتفخ سحرہ اس کا پھیپھڑا پھول گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خوف کی زیادتی میں ضرب المثل ہے کہ دل حلقوم تک پہنچ گئے، اگرچہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا کیونکہ زندگی باقی ہے؛ یہ معنی عکرمہ نے بیان کیا ہے(2)۔ حماد بن زید، ایوب سے وہ عکرمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: خوف انتہا کو پہنچ گیا۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے اس سے مراد اضطراب قلب اور اس کا شدید دھڑکنا ہے، گویا وہ شدید اضطراب کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 379　2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 80-379

وجہ سے حلقوم تک پہنچ گیا۔ حنجرہ اور حنجور (نون کی زیادتی کے ساتھ) سے مراد حلق کی ایک جانب ہے۔

وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا حضرت حسن بصری نے کہا: منافقوں نے گمان کیا کہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ دیا جائے گا اور مومن امید رکھتے تھے کہ ان کی مدد کی جائے گی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومنوں کو خطاب ہے یعنی تم نے کہا: حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ ہلاک ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَلظُّنُوْنَا، الرسول اور السبیلا کی قراءت میں قراء نے اختلاف کیا ہے۔ نافع اور ابن عامر نے وقف اور وصل دونوں صورتوں میں الف کو ثابت رکھا ہے۔ ابو عمرو اور کسائی سے یہ مروی ہے وہ مصحف، مصحف عثمان اور تمام شہروں میں جو مصاحف ہیں ان کے خط سے تمسک کرتے تھے۔ ابو عبید نے اسے اپنایا مگر کہا: قاری کو نہیں چاہیے کہ اس کے بعد بھی قراءت کرے بلکہ ان پر وقف کرے۔ انہوں نے کہا: کیونکہ عرب اشعار کے قوافی اور ان کے مصرعوں میں اسی طرح کرتے ہیں۔ کہا:

نحن جلبنا القرح القوافلا　تستنفر الأواخر الأوائلا

محل استدلال القوافلا اور الاوائلا ہے۔

ابو عمرو، جحدری، یعقوب اور حمزہ نے وصل اور وقف میں اس کے خلاف کے ساتھ قراءت کی ہے۔ علماء نے کہا: یہ خط میں زائد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَّلَاۡاَوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ (التوبہ: 47) میں الف زائد کیا جاتا ہے وہ یوں ہے ولا أوضعوا انہوں نے اسے اسی طرح لکھا اس کے علاوہ بھی امثلہ ہیں، جہاں تک شعر کا تعلق ہے تو ضرورت کا محل ہے، کیونکہ اس کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ یہ فصیح ترین لغت ہے اس میں کوئی ضرورت نہیں۔ ابن انباری نے کہا: جس نے الظنون، السبیل اور الرسول تینوں حروف کو الف کے بغیر پڑھا اور مصحف میں ان کا خط الف کے ساتھ ہے کیونکہ أطعنا میں الف اور الرسول، الظنون اور السبیل کے شروع میں جو داخل ہے یہ اس الف کو کفایت کر جاتا ہے جو اس کے آخر میں ہے۔ جس طرح ابو جاد کا الف ہواز (2) کے الف سے کفایت کر جاتا ہے۔ اس میں ایک اور دلیل ہے الف فتحہ کے قائم مقام ہے اور اس کے قائم مقام ہے جسے اس وقت حرکت کے سہارا کے لیے لاحق کیا جاتا ہے جو اس سے پہلے ہو اس میں نیت سقوط کی ہوتی ہے۔ جب اس پر عمل کیا جائے تو الف فتحہ کے ساتھ ایک شے کی طرح ہو جائیں گے۔ وقف ان دونوں کے سقوط کو واجب کرے گا اور اس چیز میں عامل ہو گا کہ خط میں الف کی صورت بولنے میں اس کی حیثیت کو ثابت نہیں کرے گی۔ یہ اس الف کی طرح ہو جائے گی جو ساحران، فاطر السموات والارض، واعدنا موسیٰ اور ان کے مشابہ الفاظ میں ہے۔ جس سے الف کو خط میں حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ وہ بولنے میں موجود ہوتا ہے جب کہ وہ لکھنے میں ساقط ہوتا ہے۔ اس میں ایک تیسری دلیل بھی ہے۔ یہ اس آدمی کی لغت پر لکھا گیا ہے جو یہ کہتا ہے: لقیت الرجلا اور اس کی لغت پر پڑھا گیا ہے جو کہتا ہے: لقیت الرجل

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 290

2۔ اس سے مراد ابجد، ہوز کے حروف ہیں ابجد کی اصل ابوجاد ہے اور ہوز کی اصل ھواز ہے۔ یعنی جب حرف کی ایک دفعہ مثال دے دی جائے تو دوبارہ سے غنی کر دیتی ہے۔

یعنی الف کے بغیر۔ احمد بن یحییٰ، اہل لغت کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عربوں سے روایت کرتے ہیں: قام الرجلو واؤ کے ساتھ مررت برجلی یاء کے ساتھ وقف اور وصل دونوں صورتوں میں روایت کیا ہے۔ لقیت الرجلا دونوں حالتوں میں الف کے ساتھ روایت کیا۔ شاعر نے کہا:

أسائلةٌ عُميرةُ عن أبيها خلالَ الجيش تَعْتَرِف الرّكابا

کیا عمیرۃ اپنے باپ کے بارے لشکر کے درمیان پوچھتی ہے وہ سواروں کو پہچانتی ہے۔

الرکابا میں الف کو ثابت رکھا اس لغت پر بنا کی ہے۔ ایک اور نے کہا:

إذا الجوزاء أردفت الثريا ظننت بآل فاطمة الظنونا

جب جوزا ثریا کے پیچھے ہوا تو میں نے آل فاطمہ کے بارے میں گمانات کیے۔

محل استدلال الظنونا ہے یہ بنی نافع کی لغت کے اعتبار سے ہے۔ ابن کثیر، ابن محیصن اور کسائی نے نصف میں الف ثابت رکھتے ہوئے اور وصل میں حذف کرتے ہوئے قراءت کی ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے الف کے بغیر وصل کیا اور الف کے ساتھ وقف کیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ استدلال کرے کہ سکتہ کے وقت وہ الف کا محتاج تھا مقصد فتحہ کی بقاء پر حرص ہے۔ اور الف اس فتحہ کا سہارا بنتا ہے اور اسے قوت بہم پہنچاتا ہے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ⑪

"اس موقع پر خوب آزمالیا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے"۔

هُنَا یہ ظرف مکان قریب کے لیے ہے اور هُنَالِكَ ظرف مکان بعید کے لیے ہے۔ هنان ظرف مکان درمیانی کے لیے ہے۔ اس کے ساتھ وقت کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے یعنی اس موقع پر مومنوں کو آزمایا گیا تاکہ مخلص منافق سے ممتاز ہو جائے۔ یہ آزمائش خوف، قتال، بھوک، محصوری اور دشمنوں کے آنے کی صورت میں تھی۔ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا یعنی انہیں حرکت دی گئی۔ زجاج نے کہا: مضاعف کا مصدر ضلال کے وزن پر ہوتا ہے۔ اس میں فاء کلمہ پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں، جس طرح یہ جملہ ہے: قلقلته قِلقالا و قَلقالا زلزلوا زِلزالا و زَلزالا کسرہ زیادہ مناسب ہے، کیونکہ غیر مضاف کا مصدر کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔ جس طرح دحرجته دحراجا عام قراءت راء کے ساتھ ہے۔ عاصم اور حجدری نے راء کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ زِلْزَالًا ابن سیبویہ نے کہا: معنی ہے انہیں خوف کے ساتھ سخت حرکت دی گئی۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد انہیں اپنی جگہوں سے ہلانا ہے، یہاں تک کہ ان کے لیے کوئی چیز باقی نہ رہی مگر خندق کی جگہ (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس حالت پر وہ تھے اس سے ان کا مضطرب ہونا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ تھے جو اپنی ذات کے بارے میں مضطرب ہوئے اور کچھ اپنے دین کے بارے میں مضطرب ہوئے (2)۔ هُنَالِكَ یہ جائز ہے کہ اس میں ابتلی عامل ہے هُنَالِكَ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس میں عامل وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ہو اور ھنالك پر وقف کیا جائے گا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 381 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 380

وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫

''اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وہ وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لیے''۔

مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ غُرُوْرًا سے مراد باطل قول ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ طعمہ بن ابیرق، معتب بن قشیر اور ایک جماعت جن کی تعداد ستر کے قریب تھی انہوں نے غزوہ خندق کے موقع پر کہا تھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کا کیسے وعدہ کرتے ہیں جب کہ ہم میں سے کوئی قضائے حاجت بھی نہیں کر سکتا؟ انہوں نے یہ بات اس وقت کی تھی جب صحابہ کرام میں یہ بات عام ہوئی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹان پر ضرب لگائی تھی جس طرح امام نسائی کی حدیث میں یہ پہلے گزر چکا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬

''اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ اے یثرب والو! تمہارے لیے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گھروں کو) اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ نبی کریم سے یہ کہہ کر (حضور) ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدان جنگ سے) فرار تھا''۔

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا طائفہ کا لفظ ایک اور اس سے زائد افراد پر صادق آتا ہے یہاں اس سے مراد اوس بن قیظی ہے جو عرابہ بن اوس کا والد تھا جس کے بارے میں شماخ کہتا تھا:

إذا ما رايةٌ رُفعت لمَجْد تلقاها عَرابةُ باليمين

بزرگی کے لیے جب بھی کوئی جھنڈا اٹھایا جاتا ہے تو عرابہ اسے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے۔

یثرب سے مراد مدینہ طیبہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام طیبہ اور طابہ رکھا۔ ابو عبید نے کہا: یثرب ایک علاقہ کا نام ہے مدینہ اس کی ایک جانب واقع تھا (1)۔ سہیل نے کہا: اس کو یثرب نام اس لیے دیا گیا کیونکہ عمالقہ میں سے جو یہاں آکر اترا اس کا نام یثرب بن عمیل بن مہلائیل بن عوض بن عملاق بن لاوز بن ارم تھا۔ ان اسماء میں سے بعض میں اختلاف ہے۔

بنو عمیل وہ ہیں جو جحفہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ اور سیلاب انہیں بہالے گیا تھا، اسی وجہ سے اسے جحفہ کا نام دیا گیا۔

لَا مُقَامَ لَكُمْ عام قراءت میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ حفص، سلمی، جحدری اور ابو حیوہ نے میم کے ضمہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ یہ اقام یقیم سے مصدر میمی ہے، یعنی یہاں کوئی اقامت نہیں یا یہاں کوئی جگہ نہیں جس میں تم ٹھہر سکو۔ جس نے میم کو فتحہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 446

دیا اس کے نزدیک یہ اسم مکان ہے یعنی یہاں کوئی جگہ نہیں جس میں تم ٹھہر سکو۔ فَارْجِعُوْا اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ۔ انہیں حکم دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر سے بھاگ جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہودیوں نے عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے منافق ساتھیوں سے کہا: کون سی چیز تمہیں برانگیختہ کرتی ہے کہ تم اپنے آپ کو ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے ہلاک کرو؟ مدینہ کی طرف لوٹ جاؤ۔ بے شک ہم ان احزاب کے ساتھ ہیں پس تم امان میں ہو (1)۔

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ ایک فریق نے مدینہ میں اپنے اپنے گھروں کی لوٹ جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول میں وہ بنو حارثہ بن حارث تھے (2)۔ یزید بن رومان نے کہا: یہ بات اوس بن قیظی نے اپنی قوم کے سرداروں سے کی تھی۔ **يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ** الگ تھلگ اور ضائع ہونے والے ہیں وہ قلعہ میں نہیں۔ یہ اس گھر کو کہتے ہیں جو دشمنوں کے سامنے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چوروں کے لیے وہاں چوری کرنا ممکن ہے کیونکہ وہ گھر مردوں سے خالی تھے۔ یہ کہا جاتا ہے: دار معورۃ و ذات عورۃ ایسے گھر کے لیے بولتے ہیں جب اس میں داخل ہونا آسان ہو جملہ کہا جاتا ہے: عوِر المکان عوَر افهو عوِر، بیوت عوِرۃ، وأعور فهو معور ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عوِرۃ ہے جس کا معنی ذات عورۃ ہے ہر وہ مکان جہاں جانے میں رکاوٹ نہ ہو اور کوئی پردہ نہ ہو تو وہ عورۃ کہلاتا ہے؛ یہ ہروی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد اور ابو رجاء عطاردی نے پڑھا (3) عوِرۃ یعنی جس کی دیواریں چھوٹی اور ان میں سوارخ ہوں۔ عرب کہتے ہیں: دار فلان عورۃ جب وہ قلعہ نما نہ ہو۔ قد اعور الفارس جب تلوار کا وار کرنے اور نیزہ مارنے میں کوئی نقص ظاہر ہو۔ شاعر نے کہا:

متی تَلْقهم لم تَلْقَ فی البیت مُعْوِرًا ولا الضَّیفَ مفجوعاً والا الجار مُرْمِلاً

جب تو انہیں ملے گا تو تو انہیں گھر میں معور نہیں ملے گا، یعنی اس کے ذار میں کچھ نقص نہ ہوگا۔

جوہری نے کہا: عورۃ اس کجی کو کہتے ہیں جس سے ڈرا جاتا ہے خواہ وہ سرحد میں ہو یا جنگ میں ہو۔ نحاس نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اعور المکان جب اس میں کوئی خلل واقع ہو۔ اعور الفارس جب اس میں نقص کی جگہ واضح ہو۔ مہدوی نے کہا: جس نے عورۃ میں واؤ کو کسرہ دیا تو یہ شاذ ہے۔ اس کی مثل ان کا قول ہے رجل عور یعنی اس کے لیے کوئی چیز نہیں۔ قیاس تو یہ تھا کہ اس میں تعلیل کی جاتی تو کہا جاتا: عار، کیوم راح، ورجلٍ مالٍ یہ اصل میں روح اور مول تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ** انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ان کو جھٹلانے اور ان کا رد کرنے کے لیے یہ کہا۔ **اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا** وہ بھاگ جانے کے سوا کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قتل سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دین سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ نقاش نے کہا: یہ آیت انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی، بنو حارثہ اور بنو سلمہ (4)۔ انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ غزوہ خندق کے موقع پر اپنے مراکز کو ترک کر دیں۔ انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا**

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 448 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 383 4۔ ایضاً

(آل عمران:122) جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا: ہم نے جو ارادہ کیا تھا وہ ہمیں کوئی دکھ نہیں دیتا جب اللہ تعالیٰ ہمارا ولی ہے۔ سدی نے کہا: جن لوگوں نے اجازت طلب کی تھی ان میں دو آدمی انصار میں سے بنو حارث سے تعلق رکھتے تھے (۱) ابو عرابہ بن اوس (۲) اوس بن قیظی۔ ضحاک نے کہا: اسی آدمی بغیر اجازت کے لوٹ آئے تھے (1)۔

وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ۝

"اور اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کی اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور توقف نہ کرتے اس میں مگر بہت کم"۔

وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا، ھا ضمیر سے مراد بیوت ہیں یا مدینہ ہے یعنی ان کی اطراف اور جوانب سے۔ واحد قطر ہے جس کا معنی جانب اور ناحیہ ہے۔ اسی طرح قتر یہ بھی قطر میں ایک لغت ہے۔ ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا تو وہ اس میں آ پڑے۔ یہ نافع اور ابن کثیر کی قراءت قصر کے ساتھ ہے باقی قراء نے اسے جر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اپنی جانب سے وہ اسے دیتے۔ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا گیا اور ان سے شرک کا مطالبہ کیا گیا ہر کسی نے وہ بات مان لی جس کا اس سے مطالبہ کیا گیا مگر حضرت بلال۔ اس میں مد کی قراءت کی دلیل ہے۔ جس کا معنی عطا کرنا ہے قصر کی قراءت پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ (الاحزاب:15) یہ لاتوھا میں ہمزہ کے مقصور ہونے پر دال ہے۔ فتنہ کی یہاں دو توجیہیں ہیں: (۱) ان سے عصبیت کی وجہ سے سوال کیا جائے تو وہ اس میں جلدی کرتے ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے (۲) ان سے یہ شرک کا مطالبہ کیا جائے تو وہ جلدی سے اسے قبول کر لیتے ہیں، یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (2)۔

وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ وہ کفر کے بعد مدینہ طیبہ میں تھوڑا ہی ٹھہرتے یہاں تک کہ ہلاک ہو جاتے؛ یہ سدی، قتیبی، حضرت حسن بصری اور فراء کا قول ہے (3)۔ اکثر مفسرین نے کہا: فتنہ شرک سے تھوڑے ہی بچتے اور شرک کی دعوت کو بہت جلد قبول کرتے۔ یہ ان کی نیتوں کے ضعف اور نفاق کی زیادتی کی وجہ سے تھا۔ اگر دشمن کے لشکر ان کے ساتھ خلط ملط ہو جاتے تو وہ کفر کو ظاہر کر دیتے۔

وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ۝

"حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے"۔

وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ غزوۂ خندق سے پہلے اور غزوۂ بدر کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ غزوۂ بدر سے غائب رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو جو کرامت اور نصرت عطا کی تھی اس کو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 282
2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 291
3۔ ایضاً

انہوں نے دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا تھا: اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنگ کا موقع دیا تو ہم ضرور جنگ کریں گے (1)۔ یزید بن رومان نے کہا: وہ بنو حارثہ تھے انہوں نے غزوۂ احد کے موقع پر بنو سلمہ کے ساتھ مل کر بزدلی کا ارادہ کیا تھا۔ جب ان کے بارے میں نازل ہوا جو نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ وہ دوبارہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس چیز کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنی طرف سے پیش کیا تھا (2)۔

وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ مقاتل اور کلبی نے کہا: وہ ستر افراد تھے انہوں نے لیلۃ العقبہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہوں نے عرض کی: اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے شرطیں لگا لو جو بھی آپ چاہیں۔ فرمایا: "میں اپنے رب کے لیے شرط لگاتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ اور میں اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری حفاظت اس طرح کرو گے جس طرح تم اپنی عورتوں، اپنے اموال اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہو"۔ انہوں نے عرض کی: یا نبی اللہ! اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمارے لیے کیا ہوگا۔ فرمایا: "تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں جنت ہوگی" (3)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی مراد ہے: وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس بارے میں پوچھے گا۔

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

"فرما دیجئے: (اے بھگوڑو!) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے اور (اگر بھاگ کر تم نے جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑی مدت"۔

جس کی اجل آجائے گی وہ مر جائے گا یا قتل ہو جائے گا تو بھاگنا اسے کوئی نفع نہیں دے گا۔ پس بھاگنے کے بعد تم دنیا میں تھوڑا عرصہ ہی لطف اندوز ہو گے یہاں تک کہ تمہاری آجال پوری ہو جائیں گی۔ ہر وہ چیز جو آنے والی ہو وہ قریب ہی ہوتی ہے۔ ساجی نے یعقوب حضرمی سے روایت نقل کی ہے وَ اِذًا لَّا يُمَتَّعُوْنَ یاء کے ساتھ ہے۔ بعض روایات میں ہے واذا لا تُمتعوا، اذا کے ساتھ منصوب ہے رفع اس معنی میں ہے ولا تمتعون اور اذا ملغی ہے۔ اس کو عامل بنانا بھی جائز ہے۔ یہ اس کا حکم اس وقت ہوگا جب اس سے پہلے واؤ اور فاء ہو۔ جب اس سے کلام شروع ہو تو اس کے ساتھ نصب دے گا تو تو کہے گا: اذا اکرمک۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝

"فرمائیے: کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اگر وہ عذاب دینے کا ارادہ کرلے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے، اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار"۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے تمہیں کون بچائے گا؟ اگر وہ تمہارے بارے میں ہلاکت کا ارادہ کرلے۔ رَحْمَةً سے مراد خیر، مدد اور

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 447 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

عافیت ہے۔ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا یعنی نہ وہ ایسا قریبی پائیں گے جو انہیں نفع دے اور نہ ایسا مددگار پائیں گے جو ان کی مدد کرے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾

''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں (اسلامی کیمپ چھوڑ کر) ہماری طرف آ جاؤ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام''۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ تم میں سے جو لوگ آڑے آتے ہیں کہ وہ لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روکیں یہ عاقنی من کذا سے مشتق ہے یعنی اس نے مجھے فلاں سے پھیر دیا۔ عوق، یہ کثرت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا یہ اہل حجاز کی لغت کے مطابق ہے۔ دوسرے کہتے ہیں: هلموا یہ جماعت کے لیے ہے۔ هلمی یہ عورت کے لیے۔ کیونکہ اصل میں ہا تنبیہ کے لیے ہے اس کے ساتھ لم ملا دیا گیا ہے پھر تخفیف کے لیے الف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور اسے مبنی بر فتحہ بنایا گیا ہے اس میں کسرہ اور ضمہ جائز نہیں کیونکہ یہ منصرف نہیں۔ ھلم کا معنی اقبل ہے یعنی آؤ۔ یہ دو گروہ تھے یعنی تم میں سے وہ لوگ ہیں جو روکتے ہیں۔ عوق کا معنی روکنا اور پھیرنا ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے عَاقَهٗ يَعُوْقُهٗ عوقا، عوقه اعتاقة سب ایک معنی میں ہیں۔ مقاتل نے کہا: وہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے جو سب منافق تھے۔

وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ ان کے بارے میں تین قول ہیں: (۱) وہ منافق تھے انہوں نے مسلمانوں سے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بہت ہی تھوڑے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہلاک ہونے والے ہیں۔ پس ہماری طرف آ جاؤ (۲) وہ بنو قریظہ کے یہودی تھے۔ انہوں نے اپنے منافق بھائیوں سے کہا: ہمارے پاس آ جاؤ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دو کیونکہ وہ تو ہلاک ہونے والے ہیں اگر ابوسفیان کامیاب ہو گیا تو تم میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑے گا۔ (۳) ابن زید نے جو بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک نیزوں اور تلواروں کے درمیان تھے اس کے حقیقی بھائی نے اسے کہا: میری طرف آ جاؤ۔ تیرے اور تیرے ساتھی کو گھیر لیا گیا ہے اس صحابی نے کہا: تو نے جھوٹ بولا ہے۔ اللہ کی قسم! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے بارے میں آگاہ کروں گا۔ وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا تاکہ آپ کو بتائے تو اس نے پایا کہ حضرت جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لا چکے ہیں: قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا۔ ماوردی اور ثعلبی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے (1)۔ اس کے الفاظ ہیں: ابن زید نے کہا: یہ احزاب کا دن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک صحابی چلا تو اس نے اپنے بھائی کو پایا کہ اس کے سامنے روٹی، بھنا ہوا گوشت اور نبیذ ہے۔ اس صحابی نے کہا: تو اس حال میں ہے جب کہ ہم نیزوں اور تلواروں کے درمیان وقت گزار رہے ہیں؟ اس نے کہا: میرے پاس آ جاؤ تحقیق تجھے اور تیرے ساتھیوں کو گھیر لیا گیا ہے وہ ذات جس کی تو قسم اٹھاتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اب کبھی بھی مستحکم نہ ہوگا۔ فرمایا: تو نے جھوٹ بولا۔ وہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 384

تا کہ سب کچھ بتائے تو حضرت جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ وَ لَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا وہ موت کے ڈر سے جنگ میں بہت ہی کم شامل ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جنگ میں ریا کاری اور شہرت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰى عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ۝

"پرلے درجے کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں جب خوف (و دہشت) چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے، بڑے حریص ہیں مال غنیمت کے حصول میں (درحقیقت) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لے آتے پس اللہ تعالیٰ نے ضائع کر دیے ہیں ان کے اعمال اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے"۔

اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ تم پر بخیل ہیں خندق کھودنے میں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہاری معیت میں جنگ کرنے میں بخیل ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے فقراء اور مساکین پر خرچ کرنے میں بخیل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے (2): جب وہ غنیمت کا مال پاتے ہیں تو اس کے بارے میں بڑے بخیل ہوتے ہیں، یہ سدی کا قول ہے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: فراء کے نزدیک اس پر نصب چار وجوہ سے ہے: (۱) یہ مذمت کے طور پر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کے نزدیک نصب یعوقون أشحة کے معنی میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام ہو القائلین أشحة اس کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ کلام یوں ہو: ولا یأتون البأس إلا قلیلا أشحة یعنی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو وہ غنیمت کے مال کے بارے میں فقراء پر بخل کرنے والے ہوتے ہیں۔ نحاس نے کہا: اس میں المعوقین کا عامل ہونا جائز نہیں اور نہ ہی القائلین کا عامل ہونا جائز ہے تا کہ صلہ اور موصول کے درمیان فاصلہ نہ کیا جائے؛ ابن انباری نے کہا: إلا قلیلا غیر تام ہے۔ کیونکہ أشحة اول کے متعلق ہے یہ چار وجوہ سے منصوب ہے: (۱) یہ المعوقین سے الگ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔ گویا فرمایا: قد یعلم الله الذین یعوقون عن القتال ویشحون عن الانفاق علی فقراء المسلمین۔ یہ بھی جائز ہے کہ القائلین سے الگ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، یعنی وهم أشحة۔ یہ بھی جائز ہے یاتون میں جو ہے اس سے الگ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، گویا فرمایا: ولا یاتون البأس إلا جبناء بخلاء۔ یہ بھی جائز ہے کہ ذم کے طریقہ پر أشحة منصوب ہو۔ اس چوتھی وجہ سے اِلَّا قَلِیْلًا، اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ پر وقف کرے یہ اچھا وقف ہے اس کی مثل اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ، سَلَقُوْكُمْ میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے یہی اس میں عامل ہے۔

فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰى عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ان کی صفت جبن (بزدلی)

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 385 2۔ ایضاً

سے لگائی ہے۔ بزدل کا یہی طریقہ ہوتا ہے وہ دائیں بائیں اپنی نظر کو تیز کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ بعض اوقات اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ الخوف میں دو وجوہ ہیں: (۱) جب دشمن آگے بڑھے تو دشمن سے جنگ کرنے کی وجہ سے (1)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف کی وجہ سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غالب آئیں؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے (2)۔ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ پہلے قول کے مطابق جنگ سے خوف کھانے کی بنا پر۔ اور دوسرے قول کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف کی وجہ سے۔ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ ان کی آنکھیں گھومتی ہیں کیونکہ ان کی عقلیں جا چکی ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ کسی طرف بھی صحیح نہیں دیکھتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں شدید خوف لاحق ہوتا ہے وہ ڈرتے ہیں کہ انہیں ہر جانب سے قتل کا وار ہو سکتا ہے (3)۔

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ فراء نے کہا: یہ صلقوکم ہے یعنی صاد کے ساتھ ہے۔ جب خطیب بلیغ ہو تو اس کو خطیب مسلاق اور مصلاق بولتے ہیں صلق کا اصل معنی آواز ہے۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لعن الله الصالقة والحالقة والشاقة (4) اللہ تعالیٰ کی ایسی عورت پر لعنت ہو جو مصیبت کے وقت چلا کر روئے، بال منڈائے اور گریبان پھاڑے۔

اعشی نے کہا:

فیهم المجد والسماحة والنّجْ　دَةُ فیهم والخاطب السّلاق (5)

ان میں بزرگی، سخاوت اور شرافت ہے اور بلند آواز والا خطیب ہے۔

قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے انہوں نے غنیمت کا مال تقسیم ہوتے وقت، تمہارے بارے میں اپنی زبانوں کو لمبا کیا۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں عطا کیجئے ہمیں عطا کیجئے ہم بھی تمہارے ساتھ تھے۔ غنیمت کے وقت لوگوں میں سب سے بخیل اور سب سے زیادہ زبان دراز ہیں اور جنگ کے وقت لوگوں میں سے سب سے بزدل اور سب سے زیادہ خوفزدہ ہوتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ اچھا قول ہے، کیونکہ اس کے بعد اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ تمہارے ساتھ جھگڑنے اور دلیل قائم کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ قتبی نے کہا: وہ شدید کلام کے ساتھ تمہیں اذیت دیتے ہیں۔ سلق کا معنی اذیت ہے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

ولقد　سلقنا　هوازنا　بنو　أهلٍ　حتی　انجینا (6)

تحقیق ہم نے ہوازن کو اذیت دی جو بنو اہل ہیں یہاں تک ہم مڑ آئے۔

اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ مال غنیمت پر بخیل؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے (7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بخل کرنے والے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے (8)۔ اُولٰٓئِكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا وہ اپنے دلوں سے ایمان نہیں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 385　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً
4۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، ما ینہی من الحلق عند المصیبۃ، جلد 1، صفحہ 173　5۔ السیرۃ النبویۃ، جلد 3، صفحہ 188
6۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 386　7۔ ایضاً　8۔ ایضاً

لائے تھے، اگرچہ بظاہر مومن تھے۔ منافق حقیقت میں کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفر کے ساتھ اس کی صفت ذکر کی ہے۔ فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں بدلہ عطا نہیں فرمائے گا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد نہیں کیا تھا۔ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا اس میں بھی دو احتمال ہیں: (۱) ان کا نفاق اللہ تعالیٰ پر آسان ہے (۲) ان کا اعمال ضائع کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے (1)۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲۰

"(دشمن بھاگ گیا لیکن یہ بزدل) یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے نہیں گئے اور اگر جتھے (دوبارہ پلٹ کر) آجائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش! وہ صحرا میں بدوؤں کے طرف ہوتے (آنے جانوں والوں سے) تمہاری خبریں پوچھتے اور اگر یہ (بزدل) تم میں موجود ہوتے تو یہ (دشمن سے) جنگ نہ کرتے مگر برائے نام"۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے گمان کرتے ہیں کہ لشکر نہیں گئے جب کہ لشکر جا چکے ہیں لیکن وہ دور نہیں گئے۔ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ اگر لشکر قتال کے لیے ان کی طرف لوٹ آئیں۔ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ وہ آرزو کریں گے کہ اگر وہ بدوؤں کے ساتھ ہوتے تو وہ قتل سے بچتے ہیں اور حادثات زمانہ کا انتظار کرتے ہیں۔ طلحہ بن مصرف نے پڑھا لو انهم بدى فى الاعراب یوں کہا جاتا ہے: باد، بدی۔ جس طرح غازی کی جمع غزی اس کی تائید میں ہے صائمہ، او صوام۔

بدا فلان یبدو اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آدمی جنگل کی طرف نکل جائے۔ یہ لفظ بِداوۃ اور بَداوۃ کسرہ اور فتحہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے کلمہ کا اصل بدو ہے جس کا معنی ظاہر ہونا ہے: يَسْاَلُوْنَ یعقوب نے رویس کی قراءت میں یتساء لون عن انبائکم قراءت کی ہے، یعنی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں کے بارے میں پوچھتے ہیں (2)، وہ باتیں کرتے ہیں: کیا حضرت محمد اور آپ کے صحابہ ہلاک نہیں ہوئے؟ کیا ابو سفیان اور لشکر غالب نہیں آئے؟ یعنی وہ پسند کرتے ہیں کہ جنگ میں ہوتے وہ تمہاری خبروں کے بارے میں پوچھتے اور جنگ میں حاضر نہ ہوتے۔ یہ ان کی بزدلی کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے ہمیشہ مسلمانوں کی خبروں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کیا انہیں کوئی مصیبت نہیں پہنچی؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے کچھ لوگ مدینہ کے اطراف میں تھے جو غزوہ خندق میں حاضر نہ ہوئے۔ وہ تمہاری خبریں پوچھتے ہیں اور مسلمانوں کی شکست کی تمنا کرتے ہیں۔

وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِيْلًا وہ تیر پھینکتے اور پتھر پھینکتے یہ ریا اور شہرت کے طریقہ پر کرتے اگر یہ عمل اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا تو قلیل بھی کثیر ہوتا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 387 2۔ ایضاً

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾

''تمہاری رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے یہ نمونہ اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ قتال سے چھوڑ کر گھر بیٹھے رہنے والوں ہی کے لیے عتاب ہے یعنی تمہارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین اُسوہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے جان کو صرف کر رہے ہیں کہ آپ غزوۂ خندق کے لیے گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ اُسوہ کا معنی قدوہ اور نمونہ ہے۔ عاصم نے اسوۃ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ فراء کے نزدیک دونوں کی جمع ایک ہی ہے۔ جس کے واحد میں کسرہ دیا اس کے نزدیک ضمہ کی علت یہ ہے کہ ناقص واوی اور یائی میں یہ فرق ہے وہ کہتے ہیں: کِسوۃ کُسا، لِحیۃ، لُحا۔ جوہری نے کہا: اُسوۃ اور اِسوۃ دو لغتیں ہیں۔ اس کی جمع اُسی اور اِسی ہے۔ عقب بن حسان ہجری نے امام مالک بن انس سے وہ نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فرمایا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوک کے بارے میں ہے (1)؛ خطیب ابوبکر احمد نے اسے ذکر کیا ہے۔ کہا: عقبہ بن حسان امام مالک سے منفرد ہیں۔ میں نے اسے اسی سند سے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اُسْوَةٌ اس کا معنی نمونہ ہے۔ اسوۃ اسے کہتے ہیں جس سے تسلی حاصل کی جائے اور اس کے تمام افعال میں اقتدا کی جائے، اور تمام احوال میں اس سے تسلی حاصل کی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو زخمی کیا گیا، آپ کی رباعیہ (سامنے والے دانت) کو توڑا گیا، آپ کے چچا کو قتل کیا گیا، آپ کا پیٹ بھوکا رہا اور آپ کو نہ پایا گیا مگر صابر اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والا شکر کرنے والا اور راضی بر رضا رہنے والا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنے پیٹوں سے کپڑا اٹھایا جس پر ایک ایک پتھر تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا جب کہ آپ کے پیٹ پر دو پتھر تھے۔ حضرت ابوعیسیٰ ترمذی نے اسے نقل کیا ہے اس بارے میں فرمایا: یہ حدیث غریب ہے (3)۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا گیا تو آپ نے یوں دعا کی: **اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون** اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے (4)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

1۔ میزان الاعتدال، جلد 2، صفحہ 204، حدیث نمبر 1608، السعادۃ بجوار محافظۃ مصر

2۔ جامع ترمذی، کتاب الزھد، فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 60

3۔ صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المعاندین، اذا عرض الذمی، جلد 2، صفحہ 1024

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 388

لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ سعید بن جبیر نے کہا: معنی ہے جو ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اور اس بعث کی تصدیق کرتا ہے جس میں اعمال کی جزا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو یوم آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید رکھتا ہے۔ نحویوں میں سے حاذق نحویوں کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ یرجو کو لکھا جائے مگر الف کے بغیر جب وہ واحد کے لیے ہو، کیونکہ جمع میں جو علت ہے وہ واحد میں نہیں۔ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا وہ اللہ تعالیٰ کے عقاب سے ڈر کر اور ثواب کی امید میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لمن یہ لکم سے بدل ہے۔ بصریوں نے اسے جائز قرار نہیں دیا، کیونکہ غائب، مخاطب سے بدل نہیں ہو سکتا۔ لمن کا لام حسنۃ کے متعلق ہے۔ اسوۃ کان کا اسم ہے لکم اس کی خبر ہے۔ اس خطاب کے ساتھ جس کا ارادہ کیا گیا ہے اس میں اختلاف ہے اس کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) منافق۔ ان سے جو پہلے خطاب کیا گیا ہے اس پر عطف ہے (۲) مومن، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ کیا یہ واجب ہے یا مستحب ہے؟ (۱) واجب ہے یہاں تک کہ استحباب پر دلیل قائم ہو جائے۔ (۲) مستحب ہے یہاں تک کہ وجوب پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ امور دین میں وجوب پر محمول کیا جائے اور دنیا کے امور میں استحباب پر محمول کیا جائے (2)۔

وَلَمَّا رَاَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ ۙ قَالُوۡا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمۡ اِلَّاۤ اِيۡمَانًا وَّتَسۡلِيۡمًا ؕ﴿۲۲﴾

"(منافقین کا حال آپ پڑھ چکے) اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرط جوش سے) پکار اٹھے: یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا"۔

وَلَمَّا رَاَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ عربوں میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: راء اس کا اطلاق دل پر ہوتا ہے۔ قَالُوۡا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ اس سے مراد سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ (البقرہ: 214)

جب غزوہ خندق کے موقع پر احزاب کو دیکھا تو انہوں نے کہا: هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ، یہ قتادہ کا قول ہے (3)۔ دوسرا قول وہ ہے جسے کثیر بن عبداللہ بن عمرو مزنی نے اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال خطبہ دیا جس میں احزاب کا ذکر ہوا ہے۔ فرمایا: "حضرت جبریل امین نے مجھے خبر دی کہ میری امت اس پر غلبہ پانے والی ہے۔ یعنی حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات پر، پس تمہیں فتح کی بشارت ہو"۔ مسلمان خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا: الحمدللہ۔ سچا وعدہ ہے کیونکہ محاصرہ کے بعد ہم سے فتح کا وعدہ کیا گیا ہے۔ لشکر سامنے آ گئے تو مومنوں نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 388 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اسے ماوردی نے ذکر کیا ہے(1)۔ مَا وَعَدَنَا میں ماکو اگر تو الذی کے معنی میں بنائے تو ضمیر عائد محذوف ہوگی۔ اگر تو اسے مصدر بنائے تو یہ ضمیر کی محتاج نہ ہوگی۔

وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا فراء نے کہا: احزاب کو دیکھنا ان میں اضافہ نہیں کرتا۔ علی بن سلیمان نے کہا: زأی کا لفظ رؤیت پر دلالت کرتا ہے اور رؤیت کی تانیث غیر حقیقی ہے۔ معنی ہے رویت نے اضافہ نہ کیا مگر رب پر ایمان میں اور قضا کے تسلیم کرنے میں؛ یہ حضرت حسن بصری نے کہا(2)۔ اگر وہ کہے: ماز ادوھم تو یہ بھی جائز ہے۔ جب مسلمانوں پر معاملہ شدید ہوگیا اور خندق میں قیام طویل ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ٹیلے پر ایک رات کھڑے ہوئے جس پر مسجد فتح ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس مدد کا وعدہ کیا تھا اس کی امید کی۔ فرمایا: ''کون جائے گا تاکہ ان کی خبر لائے تو اس کے لیے جنت ہے''۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری یا تیسری دفعہ فرمایا تو کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جانب دیکھا۔ پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' عرض کی حذیفہ۔ فرمایا: ''کیا تو وہ بات نہیں سن رہا جو میں آج رات سے کہہ رہا ہوں؟'' حضرت حذیفہ نے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بدحالی اور ٹھنڈک نے مجھے جواب دینے سے روکا۔ فرمایا: ''جاؤ یہاں تک کہ قوم میں داخل ہو۔ اس کی گفتگو سنے اور ان کی خبر میرے پاس لائے۔ اے اللہ اس کی اس کے سامنے سے، اس کے پیچھے سے، اس کی دائیں جانب سے اور اس کی بائیں جانب سے حفاظت فرما یہاں تک کہ یہ میری طرف لوٹ آئے۔ جاؤ، کوئی نیا کام نہ کرنا یہاں تک کہ تو میرے پاس آئے''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنا اسلحہ لے کر نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اٹھایا: ''اے غم زدوں کی آواز سننے والے! اے مجبوروں کی دعا قبول کرنے والے! میری مصیبت، میرے غم اور کرب کو دور فرما دے تو میرا اور میرے صحابہ کا حال دیکھ رہا ہے''۔ حضرت جبریل نازل ہوئے، عرض کی: اللہ تعالیٰ نے تیری دعا کو سن لیا ہے، اور تیرے دشمن کی جانب سے پیدا ہونے والے خوف کو کافی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑے، اپنے ہاتھوں کو پھیلا دیا، اپنی آنکھوں کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور یوں کہہ رہے تھے۔ ''شکر شکر تو نے مجھ پر رحم فرمایا اور تو نے میرے صحابہ پر رحم فرمایا''۔ حضرت جبریل امین نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف ہوا کو بھیجنے والا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بشارت دی۔ حضرت حذیفہ نے کہا: میں ان تک پہنچا، ان کی آگیں جل رہی تھیں تیز ہوا آئی اس میں سنگریزے تھے۔ اس نے ان کی آگ کو نہ چھوڑا مگر اسے بجھا دیا کوئی خیمہ نہ چھوڑا مگر اسے گرا دیا وہ سنگریزوں سے بچنے کے لیے چیزوں کو ڈھال بنا رہے تھے۔ ابوسفیان اپنی سواری کی طرف اٹھا اور قریش میں چیخا۔ النجاء النجاء، بچاؤ بچاؤ۔ عیینہ بن حصن، حارث بن عوف اور اقرع بن حابس نے بھی اسی طرح کہا، لشکر بکھر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی اور مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ آئے۔ آپ کے بال پراگندہ اور جسم گرد آلود تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پانی لائیں اور سر دھونے لگیں۔ حضرت جبریل امین آئے اور عرض کی: آپ نے اسلحہ اتار دیا ہے جب کہ اہل سماء نے اسلحہ نہیں اتارا میں لگاتار ان کا پیچھا کرتا رہا یہاں تک کہ میں انہیں روحاء سے آگے چھوڑ آیا۔ پھر عرض کی: بنو قریظہ کی طرف اٹھو۔ ابوسفیان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 389　2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 292

نے کہا: میں اسلحہ کی جھنکار لگاتار سنتا رہا یہاں تک کہ میں روحاء سے آگے نکل آیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

''اہل ایمان میں سے ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ان جوانمردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔ (اذن جہاد میں ایک حکمت یہ بھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمالے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ رجال مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ **صَدَقُوْا** اس کی صفت ہے۔ **فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ**، من محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ اسی طرح **وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ** میں من ہے اور خبر جار مجرور ہے۔ نحب کا معنی نذر اور عہد ہے تو اس کا باب یوں ذکر کرتا ہے: نَحَبت أنحبُ یعنی عین کلمہ پر ضمہ ہے۔ شاعر نے کہا:

وإذا نحبت كلبٌ على الناس إنهم أحق بتاج الماجد المتكرم(1)

جب بنوکلب لوگوں پر عہد کریں تو وہ بزرگی اور کرم کے تاج کے زیادہ حقدار ہیں۔

ایک اور شاعر نے یہ لفظ یوں استعمال کیا۔

قد نحب المجدُ علينا نَحْبًا

بزرگی نے ہمارے ساتھ عہد کیا۔ ایک اور شاعر نے کہا:

أنَحْبٌ فيقضى أم ضلالٌ وباطلُ

کیا کوئی وعدہ ہے جو پورا کیا جائے یا یہ قول باطل ہے۔

امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے (2) کہا: میرے چچا حضرت انس بن نضر نے کہا ان کا بھی یہی کام تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ ان پر یہ معاملہ بڑا شاق گزرا تھا۔ انہوں نے کہا: پہلی جنگ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہوئے تھے میں اس سے غائب رہا۔ خبردار! اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوہ دکھایا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ کہا: وہ اس سے ڈرے کہ اس کے علاوہ کوئی اور کلمہ کہیں۔ اگلے سال وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ احد میں شامل ہوئے۔ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 164

2۔ سنن ترمذی، باب ومن سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر 3124، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سعد بن مالک انہیں ملے۔ پوچھا: اے ابو عمرو کہاں؟ جواب دیا: جنت کی ہوا کیا ہی خوب ہے۔ میں اسے احد کی جانب سے پاتا ہوں۔ انہوں نے جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر اسی سے زائد زخم، تلوار، نیزہ اور تیر کے پائے گئے۔ میری پھوپھی ربیع بنت نضر نے کہا: میں نے اپنے بھائی کو اس کے پوروں سے پہچانا اور یہ آیت رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا نازل ہوئی (1)۔ الفاظ ترمذی کے ہیں۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ڈٹے رہے یہاں تک کہ ان کا ہاتھ شل ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اوجب طلحه الجنة (2) حضرت طلحہ نے ایسا کام کیا ہے جس کے بدلہ میں حضرت طلحہ کے لیے جنت ثابت ہو گئی ہے۔ ان سے ترمذی شریف میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ایک جاہل بدو سے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں پوچھے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا؟ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار کا لحاظ رکھتے اور ڈرا کرتے تھے۔ اس بدو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا۔ اس نے پھر سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا۔ پھر میں مسجد کے دروازے سے ظاہر ہوا جب کہ میرے جسم پر سبز لباس تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: ''وہ سائل کہاں ہے جو یہ پوچھ رہا تھا کہ کس نے وعدہ کا حق ادا کیا ہے؟'' بدو نے عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ فرمایا: ''یہ ان میں سے ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا''۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے یونس بن بکیر کی حدیث سے جانتے ہیں (3)۔

بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب احد سے واپس لوٹے تو حضرت مصعب بن عمیر کے پاس سے گزرے جب کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں شہید پڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کھڑے ہوئے اور ان کے حق میں دعا کی، پھر اس آیت کو تلاوت کیا: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت کے روز یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید ہوں گے ان کے پاس آؤ اور ان کی زیارت کرو مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! قیامت تک ان پر کوئی سلام پیش نہیں کرے گا مگر یہ اس کو جواب دیں گے'' (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نحب کا معنی موت ہے (5) جس پر عہد کیا اسی پر موت آئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نحب کا معنی وقت اور مدت ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: قضی فلان نحبه جب وہ فوت ہو جائے۔ ذو رمہ نے کہا:

عَشِيّة فرّ الحارثيّون بعدما قَضَى نَحبه في ملتقَى الخيل هَوْبَرُ (6)

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، من المومنین رجال صدقوا، جلد 1، صفحہ 393

2۔ جامع ترمذی، کتاب الجهاد، فی الدرع، جلد 1، صفحہ 202۔ ایضاً، حدیث نمبر 1615، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر 3127، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ دلائل النبوة، جلد 3، صفحہ 284، ما جری بعد انقضاء الحرب 5۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 165 6۔ ایضاً، جز 21، صفحہ 164

اس شام حارثی بھاگ گئے بعد اس کے کہ ہو بر گھوڑوں کی جنگ کے دوران فوت ہوا۔

نحب کا معنی حاجت ہے۔ ایک قائل کہتا ہے۔ مالی عندھم نحب ان کے ہاں میرا کوئی کام نہیں۔ آیت سے یہ مراد نہیں۔ یہاں نحب سے مراد نذر ہے جس طرح ہم نے پہلے کہا، یعنی ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ نبھانے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر لیں یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے جس طرح حضرت حمزہ، حضرت سعد بن معاذ، حضرت انس بن نضر وغیرہ۔ ان میں سے کچھ اپنی شہادت کا انتظار کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد اور نذر میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے قراءت کی: فمنھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر و منھم من بدل تبدیلا۔ ابو بکر انباری نے کہا: اہل علم کے نزدیک یہ حدیث مروی ہے کیونکہ اجماع اس کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ان مومنوں اور لوگوں پر لعن ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے مدح کی، صدق اور وفا سے شرف بخشا۔ ان میں کوئی تبدیلی والا معروف نہ ہوا اور نہ ان کی جماعت میں تبدیلی کرنے والا پایا گیا۔ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تا کہ آخرت میں سچوں کو ان کے سچ پر جزا دے وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اور آخرت میں منافقوں کو عذاب دے۔ اِنْ شَآءَ اگر چاہے گا کہ انہیں عذاب دے تو انہیں توبہ کی توفیق نہیں دے گا۔ اگر ان کو عذاب دینا نہیں چاہے گا تو موت سے قبل ان پر نظر کرم فرمائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا بے شک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

"اور (ناکام) لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو درآنحالیکہ اپنے غصہ میں (پیچ و تاب کھا رہے) تھے (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے، اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقت ور، ہر چیز پر غالب ہے"۔

محمد بن عمرو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ یہاں الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد ابوسفیان اور عیینہ بن بدر ہے، ابوسفیان تہامہ کی طرف اور عیینہ نجد کی طرف لوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لشکروں پر ہوا اور لشکروں کو بھیجا یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اور بنو قریظہ اپنے قلعوں کی طرف لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ قریظہ پر رعب ڈالنے کے ساتھ کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا امر قوی ہے اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

"اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے

دلوں میں رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو۔ اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں اور ان کے مکانوں اور ان کے مال و متاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیئے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔

وَ اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ یہاں اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے لشکروں کی مدد کی، لشکروں سے مراد قریش اور غطفان ہیں یہ بنو قریظہ تھے۔ ان کا واقعہ گزر چکا ہے۔ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ ان کے قلعوں میں؛ اس کا واحد صیصہ ہے۔ شاعر نے کہا:

فأصبحت الثِیران صَرْعَی وأصبحتْ نساء تمیم یبتدِرْن الصیاصِیا(1)

بیل مردہ پڑے تھے اور تمیم قبیلہ کی عورتیں قلعوں کی طرف جلدی جلدی جا رہی تھیں۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ جولاہے کا کانٹا جس کے ساتھ وہ تانے اور بانے کو درست کرتا ہے اسے صیصہ کہا جاتا ہے۔ درید بن صمہ نے کہا:

فجئتُ إلیه والرماحُ تَنُوشُه کوقعِ الصَّیاصِی فی النسیج الممدّد(2)

میں اس کی طرف آیا جب کہ نیزے اسے نوچ رہے تھے جس طرح کانٹے بنے جانے والے کپڑے میں پڑتے ہیں۔ اسی سے صیصۃ الدیك ہے جو مرغ کے پاؤں میں ہوتا ہے۔ صیاصی البقر سے مراد ان کے سینگ ہیں، کیونکہ ان کے ساتھ وہ اپنا دفاع کرتے ہیں۔ بعض اوقات لوہے کے پھل کی جگہ ان کو نیزے پر لگایا جاتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جَذَّ اللہ صئصئه اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ کاٹ دی۔

وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ تم مردوں کو قتل کرتے ہو۔ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا یہاں فریق سے مراد عورتیں اور بچے ہیں، جس طرح پہلے گزرا ہے۔ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِیَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا جس زمین کو تم نے ابھی تک نہیں روندا۔ یزید بن رومان، ابن زید اور مقاتل نے کہا: مراد غزوہ حنین ہے۔ ابھی تک انہوں نے اس کا موقع نہیں پایا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کا ان سے وعدہ فرمایا۔ قتادہ نے کہا: ہم یہ باتیں کرتے تھے اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے(3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد فارس و روم ہے(4)۔ عکرمہ نے کہا: مراد وہ تمام علاقے ہیں جو قیامت تک فتح ہوں گے(5)۔ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا اس کی دو توجیہیں ہیں: (1) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں انتقام یا عفو جس کا بھی ارادہ کرے اس پر قادر ہے؛ یہ محمد بن اسحاق کا نقطہ نظر ہے(6)۔ (۲) جن قلعوں اور بستیوں کو فتح کرنے کا ارادہ کرے اس پر قادر ہے؛ یہ نقاش کا قول ہے(7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ جن

1۔ السیرۃ النبویہ، جلد 3، صفحہ 190
2۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 174
3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 458
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 393
7۔ ایضاً

چیزوں کا وعدہ کیا ان پر قادر ہے اس کی مدد کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے عجز کو ثابت کرنا جائز نہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: تایہ ون، تائیہ ون یعنی سین کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے؛ فراء نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

''اے نبی مکرم! آپ فرما دیجئے اپنی بیبیوں کو کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش (و آسائش) کی خواہاں ہو تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے جو تم میں سے نیکوکار ہیں اجر عظیم''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ہمارے علماء نے کہا: یہ آیت اس گزری ہوئی کلام کے معنی کے ساتھ متصل ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے سے روکا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ازواج مطہرات میں سے بعض سے اذیت پہنچی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ازواج مطہرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیاوی مال کا مطالبہ کیا تھا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ کیا تھا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے ایک دوسرے پر غیرت کا اظہار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی تھی (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان پر اس آیت کو تلاوت کریں اور دنیا و آخرت میں انہیں اختیار دیں (4)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جو آدمی ایک بیوی کا مالک ہو اس پر اسے اختیار دینا لازم نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی عورتوں کو اختیار دیں تو ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ چاہیں تو آپ بادشاہ نبی ہوں اور دنیا کے خزانوں کی چابیاں پیش کیں اور چاہیں تو مسکین نبی ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل امین سے مشورہ کیا تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکنہ کا مشورہ دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکنہ کو اپنا لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار کیا تو یہ سب سے بلند مقام بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنی ازواج کو اختیار دیں۔ بعض اوقات ان سے ایسی بات ظاہر ہوتی جس سے عیاں ہوتا کہ وہ اس تنگدستی کے عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس امر کی وجہ سے اختیار دیا گیا وہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ایک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے سونے کا ایک حلقہ بنوائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے چاندی کا ایک حلقہ بنوایا اور اس پر سونے کا پانی چڑھوایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: زعفران کا رنگ چڑھوایا، تو اس نے لینے سے انکار کر دیا مگر

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 459 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 380

اس صورت میں کہ سونے کا ہو۔ تو یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دیا۔ ان سب نے کہا: ہم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے ایک نے فراق کو اپنایا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے جب کہ الفاظ مسلم کے ہیں(1) سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کرتے ہیں آپ نے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پایا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں سے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ کہا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی تو وہ داخل ہوئے پھر حضرت عمر آئے انہوں نے اجازت طلب کی تو انہیں بھی اجازت مل گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاموش بیٹھے ہوئے پایا آپ کے ارد گرد ازواج مطہرات موجود تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایسی بات کروں گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دے گی۔ عرض کی: یا رسول اللہ! اگر میں بنت خارجہ کو پاؤں جو مجھ سے نفقہ کا سوال کرے تو میں اس کی طرف اٹھوں گا اور اس کی گردن دبوچ لوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر ہنسنے لگے۔ فرمایا: ”یہ میرے ارد گرد ہیں جس طرح تو دیکھتا ہے وہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں“۔ حضرت ابو بکر صدیق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف ان کی گردن دبانے کے لیے اٹھے اور حضرت عمر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن دبانے کے لیے اٹھے۔ دونوں کہہ رہے تھے: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ سب نے کہا: اللہ کی قسم! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گی جو آپ کے پاس موجود نہ ہو۔ پھر آپ نے ان سے ایک مہینہ یا انتیس دن علیحدگی اختیار کر لی، پھر یہ آیت نازل ہوئی: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا۝ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے اس اختیار کو شروع کیا۔ فرمایا: ”اے عائشہ! میں تجھ پر ایک ایسا امر پیش کرنے کا ارادہ کرتا ہوں میں پسند کرتا ہوں تو اس بارے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لے“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت اس پر تلاوت کی۔ عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں آپ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کرتی ہوں۔ میں آپ سے سوال کرتی ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ اپنی دوسری بیویوں کو نہیں بتائیں گے۔ فرمایا: ”ان میں سے جو بیوی بھی مجھ سے اس کا سوال کرے گی میں اسے بتا دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے معنت (ہلاکت میں ڈالنے والا) اور متعنت (غلطی کی جستجو کرنے والا) بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے معلم اور سہولت دینے والا بنا کر بھیجا ہے“۔

امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی بیویوں کو اختیار دیں تو آپ نے مجھ سے اس کا آغاز کیا فرمایا: ”اے عائشہ! میں تیرے لیے ایک امر کا ذکر کروں تجھ پر کوئی حرج نہیں ہو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، ان تخییرہ امراتہ لا یکون طلاقاً الا بالنیۃ، جلد 1، صفحہ 480

گا کہ تو جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلے"(1)۔ حضرت عائشہ نے کہا: حضور ﷺ خوب جانتے تھے کہ میرے والدین مجھے آپ ﷺ سے فراق کا حکم دینے والے نہیں تھے۔ پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا پھر حضور ﷺ نے کہا: اللہ تعالیٰ حکم ارشاد فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ میں نے عرض کی: کیا میں اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کا ارادہ رکھتی ہوں۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات نے وہی کہا جو میں نے کہا تھا۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ علماء نے کہا: جہاں تک نبی کریم ﷺ کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنے والدین سے مشورہ کرے اس لیے تھا کیونکہ حضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ سے محبت کیا کرتے تھے۔ آپ خوف رکھتے (2) تھے کہ جوانی کا عالم انہیں اس امر پر برانگیختہ نہ کرے کہ وہ حضور ﷺ سے فراق کو ہی اختیار نہ کرلیں اور آپ ﷺ یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والدین آپ کو فراق کا مشورہ نہیں دیں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ نبی کریم ﷺ کی کئی ازواج تھیں۔ ان میں سے کچھ وہ تھیں جن سے حضور ﷺ نے حقوق زوجیت ادا کیے تھے، کچھ سے صرف عقد نکاح کیا تھا اور حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تھے۔ اور کچھ وہ تھیں جن کو دعوت نکاح دی مگر ان کے ساتھ عقد نکاح مکمل نہ ہوا۔

(1) حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب۔ حضور ﷺ کے ساتھ عقد نکاح سے پہلے آپ ابو ہالہ کے عقد میں تھیں اس کا نام زرارہ بن نباش اسدی تھا اس سے قبل عتیق بن عائذ کے عقد میں تھیں ان سے ایک بچہ پیدا ہوا تھا جس کا نام عبد مناف تھا اور ابو ہالہ سے اس کا بیٹا ہند بن ابی ہالہ پیدا ہوا۔ طاعون کے زمانہ تک زندہ رہا اور اس میں مر گیا۔

ایک قول یہ کیا جاتا ہے: جو بچہ طاعون کے زمانے تک زندہ رہا وہ ہند بن ہند تھا جب یہ فوت ہوا تو اس وقت حضرت خدیجہ سے یہ بین سنا گیا واھند بن ھنداہ، واربیب رسول اللہ ہائے ہند بن ہند، ہائے رسول اللہ کے پروردہ۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ کی موجودگی میں کسی عورت سے شادی نہ کی یہاں تک کہ وہ وصال فرما گئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کی تو اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔ اور اعلان نبوت کے سات سال بعد یا دس سال بعد ان کا وصال ہو گیا۔ جب ان کا وصال ہوا اس وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ یہ وہ پہلی عورت تھیں جو حضور ﷺ پر ایمان لائی تھیں۔ حضور ﷺ کی تمام اولاد ان سے تھی صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حکیم بن حزام نے کہا: حضرت خدیجہ کا وصال ہوا تو ہم نے انہیں گھر سے نکالا یہاں تک حجون میں ان کو دفن کیا۔ حضور ﷺ خود ان کی قبر میں اترے ان دنوں نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ نہ تھا(3)۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152

2۔ تاویل تو کی جاسکتی ہے مگر اچھی تاویل نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب خود اس کی نفی کر رہا ہے۔

3۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 8، صفحہ 18، دار صادر

(2) حضرت سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس العامریہ۔ یہ قدیمی مسلمان تھیں انہوں نے بیعت کی۔ وہ اپنے چچا زاد بھائی کے عقد میں تھیں جس کو سکران بن عمرو کہا جاتا وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ دونوں نے دوسری ہجرت میں حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ جب یہ مکہ مکرمہ آئے تو ان کا خاوند فوت ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ حبشہ میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ جب ان کی عدت ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دعوت نکاح دی۔ ان سے نکاح کر لیا اور مکہ مکرمہ میں ہی انہیں اپنے حرم میں داخل کر لیا اور ان کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ جب یہ بوڑھی ہو گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ کیا تو حضرت سودہ نے یہ عرض کی کہ آپ ایسا نہ کریں، اسے اپنی ازواج میں رہنے دیں اور انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو دے دی، جیسا صحیح میں مذکور ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ ان کا وصال مدینہ طیبہ میں شوال سن چون ہجری کو ہوا۔

(3) حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا۔ ان کی نسبت جبیر بن مطعم سے تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعوت نکاح بھیجی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے موقع دیجئے کہ میں جبیر سے اس کو نرمی سے آزاد کرا لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے دو سال قبل نکاح کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تین سال قبل نکاح کیا اور مدینہ طیبہ میں انہیں حرم میں داخل کیا جب کہ ان کی عمر نو سال تھی اور نو سال تک یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ ان کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی باکرہ عورت سے شادی نہیں کی۔ ان کا وصال 59 یا 58ھ کو ہوا۔

(4) حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب قریشی عدوی رضی اللہ عنہما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شادی کی پھر انہیں طلاق دی تو حضرت جبریل امین آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ حضرت حفصہ سے رجوع کر لیں، کیونکہ وہ روزے دار اور راتوں کو قیام کرنے والی ہیں (1)۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے رجوع کر لیا۔ واقدی نے کہا: ان کا وصال شعبان 45ھ میں حضرت امیر معاویہ کے دور حکومت میں ہوا ان کی عمر ساٹھ سال تھی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا وصال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔

(5) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کا نام ہند بنت ابی امیہ مخزومی تھا۔ ابو امیہ کا نام سہیل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح 4ھ میں شوال میں کیا۔ صحیح قول یہی ہے کہ ان کا نکاح ان کے بیٹے حضرت سلمہ نے کیا۔ ان کے بیٹے کی عمر چھوٹی تھی۔ ان کا وصال 59ھ میں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا وصال 62ھ میں ہوا؛ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت سعید بن زید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ابو ہریرہ نے پڑھائی، ان کی قبر بقیع میں ہے اس وقت ان کی عمر چوراسی سال تھی۔

(6) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ ان کا نام رملہ بنت ابو سفیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا تا کہ وہ آپ کی جانب سے حضرت ام حبیبہ کو دعوت نکاح دے تو نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 18، صفحہ 365، حدیث نمبر 934، مکتبۃ العلوم والحکم
2۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 8، صفحہ 86

حضرت ام حبیبہ سے کر دیا یہ ہجرت کا ساتواں سال تھا۔ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے انہیں چار سو دینار مہر کے طور پر دیئے اور حضرت شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیج دیا۔ ان کا وصال 44ھ میں ہوا(1)۔ دار قطنی نے کہا: حضرت ام حبیبہ عبید اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں وہ حبشہ کے علاقہ میں نصرانی کی حیثیت سے مرا۔ نجاشی نے حضرت ام حبیبہ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور چار ہزار مہر مقرر کیا۔ اور شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیج دیا(2)۔

(7) حضرت زینب بنت جحش بن رئاب اسدیہ رضی اللہ عنہا۔ ان کا نام برہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھا۔ ان کے باپ کا نام برہ تھا۔ عرض کی: یا رسول اللہ! میرے باپ کا نام بدل دیجئے کیونکہ برہ حقیر چیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: ”اگر تیرا باپ مومن ہوتا تو ہم اس کا نام اپنے اہل بیت کے نام پر رکھتے لیکن میں نے اس کا نام جحش رکھا ہے اور جحش برہ میں سے ہے“۔ دار قطنی نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے 5ھ میں شادی کی۔ ان کا وصال 20ھ میں ہوا جب کہ عمر ترپن سال تھی۔

(8) حضرت زینب بنت خذیمہ بن حارث بن عبد اللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ ہلالیہ اور ان کو دور جاہلیت میں ام المساکین کا لقب دیا جاتا، کیونکہ یہ مساکین کو کھانا کھلایا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مدینہ طیبہ میں شادی کی جب کہ ہجرت کو اکتیس ماہ گزر چکے تھے یہ صرف آٹھ ماہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں رہیں اور آپ کی زندگی میں ہی ربیع الاول کے آخر ہجرت کے انتالیسویں ماہ میں وصال ہو گیا ان کو بقیع میں دفن کیا گیا۔

(9) حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار خزاعیہ مصطلقیہ ان کو غزوہ بنی مصطلق میں گرفتار کیا گیا۔ یہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں جنہوں نے ان کے ساتھ عقد مکاتبہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتبہ کا مال عطا کر دیا اور ان سے شادی کر لی۔ یہ ہجرت کے چھٹے سال شعبان میں ہوئی، اس کا نام برہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جویریہ رکھا یہ 6ھ ربیع الاول 56ھ میں فوت ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: 50ھ میں فوت ہوئیں جب کہ ان کی عمر اکسٹھ سال تھی۔

(10) حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب ہارونی۔ غزوہ خیبر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گرفتار کیا اور اسے اپنے لیے چن لیا۔ وہ مسلمان ہو گئیں اور اسے آزاد کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آزادی کو ہی اس کا مہر مقرر فرمایا۔ صحیح میں ہے کہ یہ حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سات حصوں کے برابر خریدا(3)، اور یہ 50ھ میں وفات پا گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: 52ھ میں ان کا وصال ہوا اور انہیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

(11) حضرت ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ جو بنو نضیر سے تعلق رکھتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گرفتار کیا اور اسے آزاد کر دیا اور 6ھ میں ان سے شادی کی۔ یہ حجۃ الوداع کے موقع لوٹتے ہوئے فوت ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

1۔ سنن ابی داؤد، باب الصداق، حدیث نمبر 1802، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن دار قطنی، باب المہر، جلد 3، صفحہ 246 3۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 8، صفحہ 122

انہیں بقیع میں دفن کیا۔ واقدی نے ذکر کیا: یہ 16ھ میں فوت ہوئیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ابو الفرج جوزی نے کہا: میں نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو آزاد نہیں کیا تھا بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لونڈی کی حیثیت سے ہی رہتی تھیں (1)۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ابو القاسم عبد الرحمٰن سہیلی نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں شمار نہیں کیا۔

(12) حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے عقد نکاح سرف کے مقام پر کیا جو مکہ مکرمہ سے دس میل دور ہے۔ یہ عمرہ قضاء میں 7ھ کو ہوا۔ یہ وہ آخری عورت ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے یہ مقرر کیا کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے حرم میں داخل کیا وہیں ان کا وصال ہوا اور وہیں ان کو دفن کیا گیا۔ ان کا وصال 61ھ میں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ 63ھ میں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ 68ھ میں ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی مشہور ازواج ہیں۔ یہی وہ بیویاں ہیں جن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقوق زوجیت ادا کیے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

جہاں تک ان عورتوں کا تعلق ہے جن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیا اور ان کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے، ان میں سے کلابیہ ہے۔ اس کے نام میں علماء نے اختلاف کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا نام فاطمہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام عمرہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا نام عالیہ تھا۔ زہری نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ بنت ضحاک کلابیہ سے نکاح کیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طلاق دی۔ وہ کہا کرتی تھی: میں شقیہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 8ھ میں ذی قعدہ میں نکاح کیا یہ ساٹھ ہجری میں فوت ہوئی (2)۔

ان میں سے اسماء بنت نعمان بن جون بن حارث کندیہ ہے یہی جونیہ ہے۔ قتادہ نے کہا: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے تو اسے دعوت دی تو اس نے کہا: آپ ادھر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طلاق دے دی۔ دوسرے علماء نے کہا: اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ مانگی تھی۔ بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا۔ جب اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، گویا اس نے اسے ناپسند کیا (3)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو اسید کو فرمایا اس کا سامان تیار کرے اور کپڑے دے۔ دوسرے الفاظ یہ ہیں حضرت ابو اسید نے کہا: جونیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا: ھبی لی نفسك اپنی ذات کو میرے لیے ہبہ کردو۔ اس نے کہا: ھل تھب الملکۃ نفسھا للسوقۃ کیا ملکہ اپنا آپ رعیت کو ہبہ کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ اس پر رکھیں تاکہ وہ سکون پائے۔ اس نے کہا: اعوذ باللہ منك میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ فرمایا: ”تو نے اس ذات کی پناہ چاہی جس کی پناہ چاہی جاتی ہے“ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے فرمایا: ”اے ابا اسید! اسے دو سفید رازقی کپڑے دے دو اور اس کو اس کے گھر والوں کی طرف بھیج دو“۔

1۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 8، صفحہ 131 2۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 141 3۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 790

قتیلہ بنت قیس۔ یہ اشعث بن قیس کی بہن تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شادی اس کے بھائی اشعث نے کی پھر وہ حضر موت چلا گیا۔ وہ اسے سوار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ملی تو وہ واپس اپنے علاقہ میں لے گیا وہ مرتد ہو گیا اور یہ بھی مرتد ہو گئی پھر اس سے حضرت عکرمہ بن ابو جہل سے شادی کی تو اس سے حضرت ابو بکر صدیق کو سخت رنج ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی: اللہ کی قسم! یہ رسول اللہ کی ازواج میں سے نہ تھی (1)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ انہیں اختیار دیا اور اور نہ ہی حجاب میں لیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارتداد کے ساتھ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بری کر دیا۔ حضرت عروہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا ہو۔

ام شریک ازدیہ۔ اس کا نام غزیہ بنت جابر بن حکیم تھا۔ اس سے قبل یہ ابو بکر بن ابی سلمی کے عقد میں تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق دے دی اور اس سے حقوق زوجیت ادا نہیں کیے۔ یہی وہ عورت تھی جس نے اپنے آپ کو آپ پر پیش کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس عورت نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا تھا وہ خولہ بنت حکیم تھی۔

خولہ بنت ہذیل بن ہبیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا اور آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گئی۔

شراف بنت خلیفہ۔ یہ حضرت دحیہ کی بہن تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے۔

یعلی بنت خطیم۔ یہ قیس کی بہن تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا یہ بڑی غیور تھی اس نے نکاح کے ختم کرنے کا مطالبہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ عقد نکاح کو ختم کیا۔

عمرہ بنت ہادیہ کندیہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا۔ شعبی نے کہا: کندہ کی ایک عورت سے نکاح کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسے لایا گیا۔

ابنۃ جندب بن ضمرہ جندعیہ۔ بعض نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا اور بعض نے اس کے وجود کا انکار کیا۔

غفاریہ۔ بعض علماء نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غفار کی ایک عورت سے شادی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تو اس نے اپنے کپڑے اتارے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیدی دیکھی تو فرمایا: ''تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا'' (2)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سفیدی آپ نے کلابیہ میں دیکھی تھی۔ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد نکاح کیا اور ان سے حقوق زوجیت ادا نہیں کیے۔

جہاں تک ان عورتوں کا تعلق ہے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت نکاح تو دی مگر عقد نکاح نہ ہوا اور جن عورتوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ ان میں سے حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا۔ ان کا نام فاختہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت نکاح دی تو انہوں نے عرض کی: میں بچوں والی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معذرت پیش کی تو آپ نے ان کی معذرت قبول کر لی۔ ان میں سے ایک ضباعہ بنت عامر بھی تھی۔ ان میں سے ایک صفیہ بنت بشامۃ بن نضلہ

1۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 8، صفحہ 148
2۔ المستدرک للحاکم، جلد 4، صفحہ 37، حدیث نمبر 2406، باب ذکر العالیہ

تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت نکاح دی ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفتار کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دیا۔ فرمایا: ''اگر تو میرے پاس رہنا چاہے تو میرے پاس رہے اور اگر تو چاہے تو اپنے خاوند کے پاس چلی جا؟(1)'' اس نے عرض کی: میں اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھیج دیا۔ بنو تمیم نے اس پر لعن طعن کیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ ان میں سے ایک ام شریک تھی۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان میں سے ایک لیلی بنت خطیم تھی اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان میں سے خولہ بنت حکیم بن امیہ تھی اس نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہبہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے معاملہ کو مؤخر کر دیا تو اس نے حضرت عثمان بن مظعون سے شادی کر لی۔

ان میں سے ایک جمرہ بنت حارث بن عوف مری ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت نکاح دی تو اس کے باپ نے کہا: اس میں بیماری ہے جب کہ اس میں بیماری نہیں تھی اس کا باپ اس کے پاس واپس آیا تو وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہو چکی تھی۔ یہ شبیب بن برصاء شاعر کی ماں تھی۔

ان میں سے سودہ قرشیہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت نکاح دی یہ بچوں والی تھی اس نے عرض کی: مجھے ڈر آتا ہے کہ میرے بچے آپ کے سر کے پاس شور کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف کی اور اس کے حق میں دعا کی۔

ان میں سے ایک عورت ایسی تھی جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ مجاہد نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دعوت نکاح دی اس نے عرض کی: میں اپنے باپ سے مشورہ کروں گی۔ وہ اپنے باپ سے ملی تو باپ نے اجازت دے دی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قد التحفنا لحافا غیرك(2) ہم نے تیرے سوا کوئی اور لحاف اپنا لیا ہے۔ نکاح کا ارادہ ترک کرنے سے کنایہ ہے۔

یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں۔

لونڈیوں میں سے دو لونڈیاں تھیں: (۱) حضرت ماریہ قبطیہ، حضرت ریحانہ، یہ قتادہ کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: چار لونڈیاں تھیں حضرت ماریہ، حضرت ریحانہ، جمیلہ جو آپ نے قیدیوں میں سے پائی۔ ایک لونڈی جو حضرت زینب بنت جحش نے آپ کو پیش کی۔

مسئلہ نمبر 3۔ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا، اِنۡ شرطیہ ہے اس کا جواب فَتَعَالَيۡنَ ہے۔ تخییر کو شرط کے ساتھ معلق کیا۔ یہ کلام اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تخییر اور طلاق جو شرط پر معلق کی جائیں تو دونوں صحیح ہوں گی، وہ دونوں نافذ ہوں گی اور ان کا حکم جاری ہو جائے گا۔ جاہل اور بدعتی اس کی مخالفت کرتے ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ایک مرد جب اپنی بیوی سے کہے: انت طالق اذا دخلت الدار اگر بیوی گھر میں داخل ہو بھی جائے تو طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ طلاق شرعی وہ ہوتی ہے جو فی الحال نافذ ہو جائے اس کے علاوہ کوئی طلاق نہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَتَعَالَيۡنَ یہ جواب شرط ہے۔ یہ بہت سی عورتوں کا فعل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ہے یہ امر کی

1۔ الطبقات الکبری، جلد 8، صفحہ 154 2۔ کنز العمال، جلد 7، صفحہ 128، حدیث نمبر 18326، باب النکاح

طرف متوجہ کرنے کے لیے دعوت ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: تعال یہ اقبل کے معنی میں ہے۔ اس کے لیے وضع کیا گیا ہے جس کے لیے جلالت اور رفعت ہو۔ پھر یہ لفظ ہر اس بلانے والے کے لیے استعمال ہونے لگا جو کسی کی توجہ چاہتا ہو۔ جہاں تک اس محل کا تعلق ہے تو یہ اپنے اصل پر ہے کیونکہ داعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اُمَتِّعۡكُنَّ سورۂ بقرہ میں متعہ کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ اسے أمتعکن عین کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اسی طرح اسرحکن حاء کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ سراح جمیل سے مراد یہ ہے کہ اسے طلاق سنت دے دی جائے نہ اسے تکلیف دی جائے اور نہ اس کا حق روکا جائے۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو کس طرح اختیار دیا۔ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں ا**ختیار** دیا کہ وہ بیوی کی حیثیت سے باقی رہیں یا وہ طلاق لے لیں، تو انہوں نے بیوی کی حیثیت سے رہنے کو پسند کیا؛ یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ، مجاہد، عکرمہ، شعبی، ابن شہاب اور ربیعہ کا تھا۔ ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جنہوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کا اختیار دیا۔ وہ دنیا کو پسند کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جدائی اختیار کر لیں گے اگر وہ آخرت کو پسند کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے پاس روک لیں گے تاکہ ان کے لیے بھی مرتبہ بلند ہو جس طرح ان کے خاوند کا مرتبہ بلند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق میں اختیار نہیں دیا؛ یہ قول حضرت حسن بصری اور قتادہ کا بھی ہے (1)۔ صحابہ میں سے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے جس قول کو امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کیا ہے۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو اختیار دنیا اور آخرت کے بارے میں دیا۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے جب ان سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنی بیوی کو اختیار دیتا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا تھا، کیا وہ طلاق تھی (2)؟ ایک روایت میں ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق شمار نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تخییر ثابت نہیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا وہ نکاح کی بقا اور طلاق کے درمیان اختیار تھا، اسی وجہ سے فرمایا: ''اے عائشہ! میں تیرے سامنے ایک ایسے امر کا ذکر کرنے والا ہوں تجھ پر کوئی حرج نہیں کہ تو اس میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لے'' (3)۔ اس سے یہ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا اور اس کی زینت کو آخرت پر ترجیح دینے کے حوالے سے مشورہ کا ارادہ نہیں کیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ فرقت اور نکاح کے بارے ہونا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء نے اس عورت کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس کو اختیار دیا گیا تھا تو اس نے خاوند کو اختیار کیا۔ سلف صالحین میں سے جمہور علماء، دوسرے علماء اور ائمہ فتاوی نے کہا: اسے طلاق لازم نہیں ہوئی۔ نہ ایک نہ زیادہ؛ یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 294 2۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، من خیر النساء، جلد 2، صفحہ 792

3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، وان کنتن تردن الحیوۃ، جلد 2، صفحہ 705

کا قول ہے تابعین میں سے علماء، مسروق، سلیمان بن یسار، ربیعہ اور ابن شہاب کا قول ہے۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت زید سے یہ بھی مروی ہے اگر اس نے اپنے خاوند کو اختیار کیا تو ایک طلاق بائنہ ہوگی؛ یہ حضرت حسن بصری اور لیث کا قول ہے۔ خطابی اور نقاش نے اسے امام مالک سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس کا قول: اختیاری طلاق واقع کرنے سے کنایہ ہے۔ جب اس نے اس کی نسبت عورت کی طرف کی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ جس طرح اس کا کہنا: انت بائن صحیح پہلا قول ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا (1)۔ تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق شمار نہ کیا۔ صحیحین نے اسے نقل کیا ہے۔

ابن منذر نے کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ وہ عورت جس کو اختیار دیا گیا تھا جب وہ اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو وہ طلاق نہ ہوگی۔ اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے تو اسے طلاق ہو جائے گی خاوند رجوع کا مالک ہوگا، کیونکہ یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر طلاق دیں؛ یہ قول حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ابن ابی لیلیٰ، ثوری اور امام شافعی کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ابن خویز منداد نے امام مالک سے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ جب عورت نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی، یہ حضرت حسن کا قول ہے، امام مالک اور لیث کا بھی یہی قول ہے کیونکہ ملکیت تو اسی طرح عورت کو حاصل ہوتی ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب عورت اپنے آپ کو اختیار کرے تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا (2)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: جب وہ اپنے خاوند کو اختیار کرے تو اسے طلاق رجعیہ واقع ہوگی (3)۔

مسئلہ نمبر 7۔ مدینہ طیبہ کی ایک جماعت اور دوسرے علماء اس طرف گئے ہیں کہ تملیک اور تخییر برابر ہیں۔ دونوں میں فیصلہ ایک ہی ہوگا؛ یہ عبدالعزیز بن ابی سلمہ کا قول ہے۔ ابن شعبان نے کہا: یہ ہمارے اصحاب میں سے کثیر لوگوں کا نقطہ نظر ہے۔ یہی اہل مدینہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ آپ دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک تملیک یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو کہتا ہے: قد ملکتک مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک، دو یا تین طلاقوں کا اختیار دیا ہے میں تجھے اس کا مالک بناتا ہوں۔ جب یہ جائز ہے کہ وہ اسے بعض کا مالک بنائے اور بعض کا مالک نہ بنائے اور اس کا وہ دعویٰ بھی کرے تو جب وہ عورت کے ساتھ جھگڑا کرے تو قسم کے ساتھ قول اس کا معتبر ہوگا۔ اہل مدینہ میں سے ایک طائفہ نے کہا: خاوند کو تملیک اور تخییر میں جھگڑا کرنے کا برابر حق ہے جب کہ وہ عورت مدخول بہا ہو؛ پہلا قول امام مالک کا مشہور قول ہے۔ ابن خویز منداد نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ تین طلاقوں میں مخیرہ عورت سے جھگڑا کرے یہ ایک طلاق بائنہ ہوگی، جس طرح امام ابو حنیفہ نے کہا: ابو جہم نے بھی یہی کہا ہے۔ سحنون نے کہا: یہی ہمارے اکثر اصحاب کا نقطہ نظر ہے۔

امام مالک کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عورت جس کو اختیار دیا گیا جب وہ اپنے آپ کو اختیار کرے اور اس کے ساتھ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، ان تخییرہ امرأتہ، جلد 1، صفحہ 480	2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 535	3۔ ایضاً

خاوند نے حقوق زوجیت ادا کیے ہوئے ہوں، تو اسے کلی طلاق ہو جائے گی۔ اگر خاوند اس کا انکار کرے تو اسے انکار کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اگر وہ ایک طلاق کو اختیار کرے تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ اختیار قطعی طلاق کا تھا چاہے اپنا لے، چاہے ترک کر دے، کیونکہ تخییر کا معنی تسریح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر میں فرمایا: فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ تسریح کا معنی قطعی طلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (البقرہ:229) تسریح باحسان سے مراد تیسری طلاق ہے؛ نبی کریم ﷺ سے یہی مروی ہے، جس طرح پہلے گزرا ہے۔ معنی کے اعتبار سے اس کا قول: اختاری یا اختاری نفسك تقاضا کرتا ہے کہ جب عورت اپنے آپ کو اختیار کر لے تو خاوند کو اس پر کوئی حق نہ ہو اور خاوند اس سے کسی چیز کا مالک نہ ہو، کیونکہ خاوند نے معاملہ اس کے سپرد کر دیا ہے کہ خاوند اس کے بارے میں جس چیز کا مالک ہے اس سے نکل جائے یا وہ عورت اسی کے ساتھ رہے جب وہ اپنے خاوند کو اختیار کرے۔ جب عورت نے طلاق میں سے بعض کو اختیار کیا تو اس نے لفظ کے مقتضی پر عمل نہ کیا۔ یہ اس کے قائم مقام ہو گیا جس کو دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو اس نے ان کے علاوہ کسی اور چیز کو اختیار کیا۔ جہاں تک اس عورت کا تعلق ہے جس کے ساتھ اس نے دخول نہیں کیا تھا تو اسے تخییر اور تملیک میں اس کے ساتھ جھگڑا کا حق ہے جب وہ اپنے آپ کو ایک طلاق دے، کیونکہ وہ فی الحال جدا ہو جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ امام مالک سے روایت میں اختلاف ہے کب تک اس کو اختیار ہوگا؟ ایک دفعہ کہا: اسے مجلس میں اس وقت تک خیار ہوگا جب تک وہ اس سے نہ اٹھے اور ایسے کام میں مشغول نہ ہو جو اعراض پر دلالت کرے اگر اس نے اختیار کو نہ اپنایا اور کوئی فیصلہ نہ کیا یہاں تک کہ وہ مجلس میں جدا ہو گئے تو اسے جو اختیار دیا گیا تھا وہ باطل ہو جائے گا؛ یہ اکثر فقہاء کا نقطہ نظر ہے۔ ایک دفعہ فرمایا: اسے ہمیشہ کے لیے اختیار ہوگا، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے اختیار کو ترک کر دیا ہے اس کا ترک اس طرح معلوم ہوتا ہے تو وہ خاوند کو وطی اور مباشرت کا موقع دے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ اپنے آپ سے خاوند کو روکے اور کسی شے کو اختیار نہ کرے تو خاوند کو حق حاصل ہوگا کہ وہ حاکم کے پاس معاملہ لے جائے کہ وہ عورت اس اختیار کو واقع کرے یا اس کو ساقط کرے اگر وہ عورت ایسا کرنے سے انکار کر دے تو حاکم اس کی تملیک کو ساقط کر دے گا۔ پہلے قول کی بناء پر جب وہ اس کے علاوہ کسی اور کام میں شروع ہو گئی جیسے کسی بات میں، کسی عمل میں یا وہ چل پڑی یا ایسے کام میں شروع ہو گئی جس کا تخییر سے کوئی تعلق نہ تھا، جس طرح ہم نے ذکر کیا تو اس کی تخییر ساقط ہو جائے گی۔ اس قول کے قائل ہمارے بعض اصحاب نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ (النساء:140)

ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ خاوند نے اس کے لیے قول مطلق کیا تھا تا کہ عورت کی جانب سے پسند سامنے آئے، تو یہ اس طرح ہو گیا جس طرح دونوں کے درمیان عقد ہوتا ہے۔ اگر قبول کرے تو ٹھیک ورنہ وہ ساقط ہو جائے گا۔ جس طرح کوئی کہتا ہے: قد وهبت لك یا بایعتك اگر وہ قبول کر لے تو ٹھیک ورنہ ملکیت اپنی جگہ باقی رہے گی؛ یہ ثوری، کوفیوں، اوزاعی، لیث، شافعی اور ابو ثور کا قول ہے، یہ ابن قاسم کا اختیار ہے۔ دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ یہ امر عورت کے قبضہ میں ہو گیا اور خاوند کے مالک بنانے کی وجہ سے عورت اس کی مالک بن گئی جب عورت اس کی مالک بن گئی تو ضروری ہے کہ اس کے ہاتھ میں باقی

رہے جس طرح اس کے خاوند کے ہاتھ میں یہ ردباقی تھا۔

میں کہتا ہوں: یہ ہی صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''میں تجھ سے ایسے امر کا ذکر کرنے والا ہوں تجھ پر کوئی حرج نہیں ہوگا کہ تو اس میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ تو اپنے والدین سے مشورہ کر لے''(1)۔ اسے صحیح نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ باب کے شروع میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ یہ اس کے لیے حجت ہے جو یہ کہے: جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اختیار دے یا اسے مالک بنائے تو عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس بارے میں فیصلہ کرے اگرچہ وہ مجلس سے جدا ہو جائیں، یہ حضرت حسن بصری اور زہری سے مروی ہے۔ امام مالک نے اپنی دو روایتوں میں سے ایک میں کہا: ابوعبید نے کہا: اس باب میں ہمارے نزدیک یہ ہے اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ ہی کی پیروی سنت کی اتباع ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اختیار کو یوں بنایا تو وہ اپنے والدین سے مشورہ کریں اور ہم نے مجلس سے اٹھنے کو اختیار سے نکلنا شمار نہیں کیا۔ مروزی نے کہا: میرے نزدیک یہ سب سے صحیح قول ہے: یہ ابن منذر اور طحاوی کا قول ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝

''اے نبی کریم کی بیبیو! جس کسی نے تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کی تو اس کے لیے عذاب کو دو چند کر دیا جائے گا اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے اور جو تم میں سے فرمانبردار بنی رہی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نیک عمل کرتی رہی تو ہم اس کو اس کا اجر بھی دو چند دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت والی روزی تیار کر رکھی ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی فضیلت کا ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی تکریم کے لیے ارشاد فرمایا: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَ لَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ اور ان کا حکم دوسروں سے جدا کر دیا فرمایا: وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ان کی طاعت کا ثواب اور ان کی معصیت کا عقاب دوسروں سے زیادہ کر دیا۔ فرمایا: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے جو فاحشہ لائی (اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152

اس سے محفوظ رکھنے والی ہے جس طرح حدیث افک میں گزر چکا ہے) اللہ تعالیٰ ان کے لیے عذاب کو دگنا کر دے گا۔ یہ ان کے مقام کے شرف اور درجہ کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔ اور ان کے دوسری تمام عورتوں پر تقدم کی وجہ سے یہ حکم لگایا۔ شریعت نے یہ بیان کیا جس کا ذکر کئی مواقع پر گزر چکا ہے جس طرح اس کی وضاحت میں گزر چکا ہے کہ جب حرمتیں اور عزتیں زیادہ ہوں گی تو پھر ان کو پامال کیا جائے تو عقوبتیں بھی کئی گنا ہوں گی۔ اسی وجہ سے غلام کے بدلہ میں آزاد اور باکرہ کے مقابلہ میں ثیبہ کی حد گنی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج وحی کے نازل ہونے کی جگہ رہتی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کے نازل ہونے کی جگہ رہتی تھیں تو ان پر معاملہ قوی ہو گیا تو ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے ان پر ایک چیز لازم ہوگی جو اس سے زائد ہوگی جو ان کے علاوہ پر لازم ہوگا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کی وجہ ان کے جرائم کا ضرر بڑھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کی وجہ سے ان کا جرم اتنا بڑا ہو گیا تو عقوبت بھی اس پر اسی قدر ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ اس قول کو طبری نے پسند کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ایک قوم کا کہنا ہے: اگر ان میں سے کسی ایک سے بدکاری واقع ہوئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس جرم سے محفوظ رکھا تو عظمت شان کی وجہ سے اس کو دو حدیں جاری کی جاتیں، جس طرح آزاد عورت کو لونڈی کے مقابلہ میں زیادہ کوڑوں کی صورت میں حد جاری کی جاتی ہے۔ یہاں عذاب حد کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (النور) اس اعتبار سے ضعفین کا معنی مثلین یا مرتین ہے ابوعبیدہ نے کہا: ضعف الشیء سے مراد دو چیزیں ہیں یہاں تک کہ وہ تین ہو جائیں (2)۔

ابوعمرو نے یہ قول کیا جو طبری نے اس سے حکایت بیان کی ہے تو اس کی طرف دو عذابوں کو منسوب کیا جائے جو دونوں اس کی مثل ہوں گے تو یہ تین عذاب ہو جائیں گے۔ طبری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اس طرح یہ غیر صحیح ہے، اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے اس کا احتمال موجود ہے۔ اجر کا دو دفعہ ہونا اس قول کو فاسد کر دیتا ہے، کیونکہ فاحشہ میں عذاب، طاعت میں اجر کے مقابل ہے؛ یہ ابن عطیہ کا قول ہے(3)۔ نحاس نے کہا: ابوعمرو نے یضاعف اور یضعف میں فرق کیا ہے۔ کہا: یضاعف کئی دفعہ کے لیے اور یضعف دو دفعہ کے لیے بولا جاتا ہے، اسی وجہ سے اسے یضعف پڑھا گیا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: یُّضْعَفْ لَهَا الْعَذَابُ اس کو تین عذاب بنا دیا جائے گا(4)۔ نحاس نے کہا: ابوعمرو اور ابوعبیدہ نے جو فرق بیان کیا ہے جن علماء لغت کو میں جانتا ہوں ان میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچانتا۔

یضاعف اور یضعف کا معنی ایک ہی ہے یعنی اسے دوگنا کر دیا جائے گا، جس طرح تو کہتا ہے: ان دفعت الی درھما دفعت الیك ضعفیه یعنی اگر تو نے مجھے ایک درہم دیا تو میں تجھے دو درہم دوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 382
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 397
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 382
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 397

دلالت کرتا ہے۔ عذاب اجر سے زیادہ نہیں ہوتا۔ ایک اور موقع پر فرمایا: اٰتِہِمۡ ضِعۡفَیۡنِ مِنَ الۡعَذَابِ یہاں بھی دو مثل ہے۔ معمر نے قتادہ سے یُضٰعَفۡ لَہَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَیۡنِ کی یہ تعبیر روایت کی ہے کہ دنیا کا عذاب اور آخرت کا عذاب۔ قشیری ابو نصر نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ ضعفین سے مراد دو مثل ہیں، کیونکہ ارشاد فرمایا نُّؤۡتِہَاۤ اَجۡرَہَا مَرَّتَیۡنِ وصایہ میں ہے۔ اگر کسی انسان نے کسی کے حق میں اپنے بیٹے کے حصہ سے دوضعف وصیت کی تو یہ اس امر کی وصیت ہوگی کہ اس آدمی کو بیٹے کے حصہ سے تین گنا دیا جائے گا، کیونکہ وصیتیں عرف کے مطابق جاری ہوتی ہے۔ اور کلام اللہ کی تفسیر کلام عرب کی طرف پھیری جاتی ہے۔ اور کلام میں ضعف کا لفظ مثل اور ما زاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ دو مثل متصور نہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھذا ضعف ھذا یعنی یہ اس کی مثل ہے۔ ھذا ضعفاہ یہ اس کی مثل ہے۔ اصل میں ضعف اس زیادتی کے لیے بولا جاتا ہے جو غیر محصور ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ (سبا: 37) اس سے ایک مثل یا دو مثل کا ارادہ نہیں کیا، یہ سب ازہری کا قول ہے۔ سورۂ نور میں وہ اختلاف گزر چکا ہے جو اس آدمی پر حد کے بارے میں ہے جو ان میں سے کسی پر تہمت لگاتا ہے۔ الحمدللہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابو رافع نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر صبح کی نماز میں سورۂ یوسف اور سورۂ احزاب کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ جب آپ اس آیت یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ پر پہنچتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے۔

اس کے بارے میں آپ سے عرض کی گئی تو فرمایا: میں انہیں وعدہ یاد دلاتا ہوں (1)۔ جمہور نے من یأت قراءت کی اسی طرح من یقنت کو من کے لفظ پر محمول کیا ہے۔ القنوت کا معنی طاعت ہے۔ یہ بحث گزر چکی ہے۔ یعقوب نے من تأت اور تَقۡنُتۡ تاء کے ساتھ پڑھا ہے وہ معنی پر محمول کرتے ہیں۔ ایک قوم نے کہا: فاحشہ کا لفظ جب معرفہ وارد ہو تو اس سے مراد زنا اور لواطت ہے (2)۔ جب یہ نکرہ واقع ہو تو اس سے مراد باقی ماندہ معاصی ہیں۔ جب یہ بطور منعوت واقع ہو تو اس سے مراد یہاں بیوی کی نا چاقی اور حسن معاشرت کا نہ ہونا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ اس کا فرمان بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ تمام معاصی کو عام ہے (3)۔ اسی الفاحشۃ کا لفظ جس طرح بھی وارد ہو۔

ابن کثیر نے مبینۃ یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع اور ابو عمرو نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک جماعت نے یضاعف عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں فعل اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب ہوگا۔ ابو عمرو نے خارجہ کی روایت میں نضاعف نون مضموم اور العذاب کے نصب کے ساتھ قراءت کی ہے، یہ ابن محیصن کی قراءت ہے۔ یہ ایک فرد کی جانب سے باب مفاعلہ کا اظہار ہے، جس طرح طارقت النعل عاقبت اللص میں باب مفاعلہ ایک فاعل کے لیے ہے۔ نافع، حمزہ اور کسائی نے یضاعف کو یاء اور عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور العذاب کو مرفوع پڑھا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، ابن کثیر اور عیسیٰ کی قراءت کی ہے۔ ابن کثیر اور ابن عامر نے نضعف کو نون اور عین مشددہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور العذاب کو منصوب پڑھا ہے۔ مقاتل نے کہا: عذاب میں یہ تضعیف آخرت میں ہوگی؛ کیونکہ اجر کا دو دفعہ ہونا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 381 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 382

آخرت میں ہوگا۔ یہ حسن ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ایسا جرم نہیں کریں گی جو حد کو واجب کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کی بیوی نے کبھی بھی بدکاری نہیں کی۔ انہوں نے ایمان اور طاعت میں خیانت کی۔ بعض مفسرین نے کہا: وہ عذاب جس کے دگنا ہونے کی انہیں دھمکی دی گئی وہ دنیا اور آخرت کا عذاب ہے (1)۔ اسی طرح اجر ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول ضعیف ہے (2)، مگر اس صورت میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے دنیا کی حدود ان سے آخرت کے عذاب کو ختم نہ کریں، جیسا لوگوں کا حال ہے جو حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث سے ثابت ہے۔ یہ ایسا امر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں اور نہ اس کے ثبوت کو محفوظ کیا گیا ہے۔ اہل تفسیر کا قول ہے کہ رزق کریم سے مراد جنت ہے، نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۳۲

"اے نبی کی ازواج (مطہرات) تم نہیں ہو دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی مانند اگر تم پرہیز گاری اختیار کرو پس اس نرمی سے بات نہ کرو کہ طمع کرنے لگے وہ (بے حیا) جس کے دل میں روگ ہے اور گفتگو کرو تو باوقار انداز سے کرو"۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ یعنی فضل و شرف میں عام عورتوں کی طرح نہیں۔ کاحد فرمایا کواحدۃ نہیں فرمایا کیونکہ احد یہ مذکر، مونث، واحد اور جماعت سے نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کا ذکر ایسی چیز کے لیے ہوتا ہے جو آدمی نہ ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: لیس فیھا احد یعنی اس میں کوئی بکری اور اونٹ بھی نہیں۔ النساء کا خصوصا ذکر کیا کیونکہ گزری ہوئی عورتوں میں حضرت آسیہ اور حضرت مریم بھی ہیں۔ قتادہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ان کی باہمی فضیلت کے بارے میں اختلاف کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ وہاں اس میں غور وفکر کر لے۔

پھر فرمایا: اِنِ اتَّقَيْتُنَّ یعنی تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس امر کو واضح کیا کہ فضیلت ان کے لیے تقویٰ کی شرط کے ساتھ مکمل ہوگئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کے ہاں عظیم مقام عطا کیا اور ان کے حق میں قرآن نازل فرمایا۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ یہ نہی کی وجہ سے محل جزم میں ہے، مگر یہ اسی طرح مبنی ہے جس طرح فعل ماضی مبنی ہوتا ہے؛ یہ سیبویہ کا مذہب ہے، یعنی قول میں نرمی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ان کا قول باوقار ہونا چاہیے اور کلام فیصلہ کن ہونی چاہیے وہ ایسی صورت پر نہیں ہونی چاہیے جو دل میں لگاؤ پیدا کرے اس کی وجہ اس کلام کی نرمی ہو، جس طرح عربوں کی عورتوں کی حالت ہوتی جب وہ مردوں سے کلام کرتے ہوئے رویہ اپناتیں کہ آواز کو توڑتیں اور اس میں نرمی پیدا کرتیں، جس طرح ان عورتوں کی کلام ہوتی ہے جو شک ڈالتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

فَيَطْمَعَ یہ منصوب ہے اور نہی کے جواب میں ہے الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ مرض سے مراد شک اور نفاق ہے، یہ قتادہ اور

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 382 2۔ ایضاً

سدی سے مروی ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فجور کے لیے آراستہ ہونا ہے وہ فسق اور عورتوں سے باتیں کرنے میں دلچسپی کا اظہار ہے (2)؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ یہ زیادہ صحیح ہے۔ اس آیت میں نفاق کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ابو حاتم نے حکایت بیان کی کہ اعرج نے فیطمع یاء کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: میں گمان کرتا ہوں یہ غلط ہے اور یہ کہ اس نے فیطمِعَ میم کے فتحہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہو اور اس کا عطف تخضعن پر ہو۔ یہ توجیہ عمدہ اور اچھی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فیطمع، فیطمع الخضوع او القول کے معنی میں ہو۔

وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا۔ عورت کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب وہ اجنبی لوگوں سے خطاب کرے اور اسی طرح جب ان محرم لوگوں سے خطاب کرے جو رشتہ مصاہرت کی وجہ سے محرم ہیں کہ وہ قول میں سختی لائے جب کہ آواز کو بلند نہ کرے، کیونکہ عورت کو پست انداز میں کلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قول معروف سے مراد وہ درست عمل ہے جس کو شریعت اور نفوس ناپسند نہ کریں۔

وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ﴿۳۳﴾

''اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دور جاہلیت میں رواج تھا اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ قَرْنَ جمہور قراء نے اسے وقِرن قاف کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ عاصم اور نافع نے قاف کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ جہاں تک پہلی قراءت کا تعلق ہے تو یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتی ہے: (1) یہ وقار سے مشتق ہو۔ تو کہتا ہے: وَقَرَ یَقِرُ وَقَارًا اس کا معنی سکونت اختیار کرنا ہے۔ امر قِرْ ہے اور النساء کے لیے قِرن ہے۔ جس طرح عِدن، زِن ہے (۲) یہ مبرد کا قول ہے یہ قرار سے مشتق ہو (3)۔ تو کہتا ہے: قررت بالمکان یہ راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اس سے امر کا صیغہ اِقْرِرْ ہے اصل میں یہ اِقْرِرْنَ راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ پہلی راء تخفیف کی وجہ سے حذف ہے، جس طرح انہوں نے ظللت میں ظلت، مسست میں مست کیا اس کی حرکت کو قاف کی طرف نقل کیا قاف کے متحرک ہونے کی وجہ سے یہ ہمزہ وصلی سے مستغنی ہو گیا۔ ابو علی نے کہا: بلکہ اس کی تعبیر یوں ہو گی کہ راء کو یاء سے بدلا ایک جنس کے دو حروف اکٹھے ہونے کو ناپسند کرتے ہوئے جس طرح قیراط اور دینار میں کیا۔ باء کے لیے وہ حرکت ہو گی جو حرکت اس حرف کی تھی جس کو یاء سے بدلا گیا۔ تقدیر کلام یہ ہو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 399 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383 3۔ ایضاً

گی: اِقْرِنَّ پھر یاء کے کسرہ کے ناپسند ہونے کی وجہ سے یاء کی حرکت قاف کو دی گئی تو یاء اجتماع ساکنین کی وجہ سے ساقط ہو گئی۔ ہمزہ وصل ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کا مابعد متحرک ہے تو یہ قِرْنَ ہو گیا۔

جہاں تک اہل مدینہ اور عاصم کی قراءت ہے تو یہ عربوں کی لغت پر ہے: قَرِرتُ فی المکان جب تو اس میں مقیم ہو (1)۔ راء کے نیچے کسرہ ہے اقرَ قاف پر فتحہ ہے یہ حِمِد یحمَد کا باب ہے۔ یہ اہل حجاز کی لغت ہے ابوعبید نے اسے الغریب المصنف میں کسائی سے ذکر کیا یہ ان کے اجل مشائخ میں سے ہے؛ اسے زجاج اور دوسرے علماء نے ذکر کیا۔ اصل اقرَرْنَ ایک جنس کے دو حروف اکٹھے ہونے کی وجہ سے ثقل واقع ہوا تو پہلی راء کو حذف کر دیا۔ اس کی حرکت قاف کو دی تو تو کہے گا: قَرن، فراء نے کہا: یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: احَسْتُ صاحبك یعنی هل أحْسَسْتَ ہے۔ ابو عثمان ہزلی نے کہا: قرِرت به عینا اس کو راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا یہی درست ہے کوئی اور صورت نہیں یہ قرۃ العین سے مشتق ہے۔ قرِرت فی المکان میں کسرہ جائز نہیں یہ راء کے فتحہ کے ساتھ قرَرت ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت ثابت ہے تو اس کا ناپسند کرنا قراءت میں قدح کا باعث نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قراءت ثابت ہو اس کے ساتھ لغت کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ابو حاتم بھی اس طرف گئے ہیں کہ قرن کلام عرب میں اس کا کوئی مذہب نہیں۔ نحاس نے کہا: جہاں تک ابو حاتم کے قول کا تعلق ہے یہ اس کا مذہب نہیں۔ اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس میں دو مذہب ہیں: (۱) جسے کسائی نے بیان کیا ہے (۲) جو میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا۔ اس نے کہا: یہ قرِرت به عینا اقِرُّ سے مشتق ہے۔ معنی ہے: اپنے گھروں میں ٹھنڈی آنکھ سے رہو۔ یہ اچھی توجیہ ہے، مگر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ پہلے قول سے ماخوذ ہے، جس طرح یہ روایت کی گئی ہے حضرت عمار نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو اپنے گھر میں رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابا یقظان! تو ہمیشہ حق کہتا رہا (2)۔

حضرت عمار نے کہا: اس اللہ کے لیے تمام تر تعریفیں ہیں جس نے مجھے اس طرح بنایا جو آپ کی زبان پر ہے۔ ابن ابی عبلہ نے واقِرْنَ الف وصلی اور دو راؤں کے ساتھ پڑھا اور پہلی راء مکسور ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کا معنی ہے گھر میں رہنے کا حکم ہے۔ اگرچہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تمام دوسری عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ یہ حکم لازم ہے اگرچہ کوئی ایسی دلیل وارد نہ ہو جو تمام عورتوں کو خاص کرے۔ یہ حکم کیسے نہ ہو جب کہ شریعت مطاہرہ تمام عورتوں کے لیے اس حکم کو لازم کرتی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں اور وہ اپنے گھروں سے باہر ہونے سے رکی رہیں، مگر ضرورت کی بناء پر وہ گھر سے باہر جا سکتی ہے، جس طرح کئی مواقع پر گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی ازواج کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھروں میں ہی رہیں اور انہیں خطاب فرمایا مقصود ان کا شرف ظاہر کرنا اور تبرج سے انہیں روکنا ہے۔ یہ چیز جان لو کہ یہ جاہلیت اولیٰ کا فعل ہے۔ اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اس چیز کو ظاہر کیا جائے جس کو پردہ میں رکھنا اچھا تھا۔ یہ اس سے ماخوذ ہے جس میں وسعت کا معنی ہو جس طرح کہا جاتا ہے: فی اسنانہ برج جب وہ جدا جدا ہوں: یہ مبرد کا قول

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383

2۔ ایضاً

ہے۔ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ زمانہ ہے(1) جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی عورت موتیوں سے بنی قمیص پہنتی وہ راستہ کے درمیان میں چلتی اور اپنے آپ کو مردوں پر پیش کرتی۔ حکیم بن عیینہ نے کہا: الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کا درمیانی عرصہ ہے(2)۔ یہ آٹھ سو سال کا عرصہ ہے۔ ان کے بارے میں مذموم سیرتیں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ ہے(3)۔ کلبی نے کہا: حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کا عرصہ ہے(4)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عورتیں موتیوں سے بنی ہوئی قمیص پہنتیں جو دونوں جانب سے سلی ہوئی نہیں ہوتی تھیں وہ باریک کپڑے پہنا کرتی تھیں اور اپنے بدن کو نہیں چھپاتی تھیں۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: یہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان کا عرصہ ہے(5)۔ امام شعبی نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا عرصہ ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: یہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا زمانہ ہے(6)۔ اس دور میں عورت کی موتیوں سے جڑی قمیص ہوتی جو دونوں جانب سے سلی ہوئی نہیں ہوتی تھی۔ ابو العباس مبرد نے کہا: الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: الجاهلية الجهلاء کہا: الجاهلية الجهلاء میں عورتیں اس کو ظاہر کرتیں جس کا اظہار قبیح ہوتا، یہاں تک کہ عورت اپنے خاوند اور اپنے دوست کے ساتھ بیٹھتی اس کا دوست اس کے ازار بند سے لے کر جسم کے اوپر والے حصہ سے لطف اندوز ہوتا اور اس کا خاوند ازار بند سے نیچے والے حصے سے لطف اندوز ہوتا بعض اوقات ان میں سے ایک دوسرے کے حصہ کا مطالبہ کر دیتا۔ مجاہد نے کہا: عورتیں مردوں کے درمیان چلتیں۔ یہی تبرج تھا۔ ابن عطیہ نے کہا: جو چیز میرے نزدیک ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلیت کی طرف اشارہ کیا ہے جو وہ اپنا چکی تھیں انہیں حکم دیا گیا کہ ان کی سیرت کو چھوڑ دیں وہ وہ سیرت تھی جو شریعت سے پہلے کافروں کی سیرت تھی، کیونکہ ان کے ہاں کوئی غیرت نہ تھی۔ عورتوں کا معمول حجاب کے بغیر تھا۔ اسے اولیٰ بنانا اس اعتبار سے ہے جس میں تھیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ وہاں کوئی اور جاہلیت تھی۔ جاہلیت کا اسم اس مدت پر واقع کیا گیا جو اسلام سے قبل تھا۔ انہوں نے کہا: شعراء میں جاہلی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بخاری میں ہے سمعت ابی فی الجاهلية يقول میں نے اپنے باپ کو جاہلیت میں کہتے ہوئے سنا۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں(7)۔

میں نے کہا: یہ اچھا قول ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ عرب تو بدحال اور تنگ دست تھے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے: خوش پوشی اور زینت کا اظہار یہ سابقہ زمانوں میں بھی جاری رہا۔

الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى سے مراد یہی چیز ہے اور آیت کا مقصود یہ ہے کہ ان سے قبل جو عورتوں کا وطیرہ تھا اس کی مخالفت کی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 537
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 400
4۔ ایضاً
5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383
6۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 400
7۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 384

جائے، جیسے ناز و نخرہ کرنا اور مردوں کے لیے محاسن کو ظاہر کرنا، اس کے علاوہ تمام وہ چیزیں جو شرعاً جائز نہیں۔ یہ تمام اقوال کو شامل ہے اور انہیں عام ہے پس وہ اپنے گھروں میں ہی رہیں۔ اگر انہیں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہو تو وہ ترک زینت اور کامل پردہ کی حالت میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ثعلبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا (1) کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب اس آیت کو پڑھتیں تو آپ روتیں یہاں تک کہ آپ کی اوڑھنی تر ہو جاتی۔ یہ ذکر کیا گیا کہ حضرت سودہ نے انہیں کہا: تو کیوں حج اور عمرہ نہیں کرتیں جس طرح تیری بہنیں (دوسری ازواج مطہرات) کرتی ہیں؟ فرمایا: میں نے حج کر لیا اور میں نے عمرہ کر لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے گھر میں ٹھہروں۔ راوی نے کہا: اللہ کی قسم! وہ اپنے حجرہ کے دروازہ سے باہر نہ نکلیں یہاں تک کہ ان کا جنازہ نکالا گیا۔ ابن عربی نے کہا: میں تقریباً ایک ہزار دیہاتوں میں داخل ہوا۔ میں نے نابلس کی عورتوں سے بڑھ کر اپنے عیال کی حفاظت کرنے والی اور سب سے زیادہ پاک دامن کسی عورت کو نہیں دیکھا۔ جہاں حضرت خلیل علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا میں وہاں رہا میں نے دن کے وقت کسی عورت کو راستہ میں نہیں دیکھا مگر جمعہ کے روز وہ جمعہ کی نماز کے لیے نکلتیں جس یہاں تک کہ مسجد ان سے بھر جاتی۔ جب نماز ختم ہوتی اور وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاتیں دوسرے جمعہ تک ان میں سے کسی پر بھی میری نظر نہ پڑتی۔ میں نے مسجد اقصیٰ میں پاک دامن عورتوں کو دیکھا وہ اپنی اعتکاف والی جگہ سے نہ نکلتیں یہاں تک ان کی وہاں شہادت ہو جاتی (2)۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رونا ایام جمل میں سفر کے سبب تھا (3)۔ اسی موقع پر آپ سے حضرت عمار نے کہا تھا: اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو اپنے گھر میں رہے۔ ابن عربی نے کہا: رافضیوں (4) نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی جب وہ لشکروں کی قیادت کرتے ہوئے نکلیں، جنگوں میں براہ راست حصہ لیا، نیزوں اور تلواروں کے وار پڑنے کی جگہ داخل ہوئیں جو نہ ان پر فرض تھا اور نہ ان کے لیے جائز تھا۔ انہوں نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا۔ جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو آپ نے سواری تیار کرنے کا حکم دیا تو سواری پیش کی گئی تاکہ آپ مکہ مکرمہ کی طرف جائیں۔ مردوں نے آپ سے عرض کی: اے ام المومنین! یہاں ہی رہیں اور ان چرواہوں کو واپس کیجئے، کیونکہ لوگوں کے درمیان آپ کے حج کرنے سے بہتر ہے۔

ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فتنہ سے قبل حج کی نذر مانی تو آپ نے نذر چھوڑنے کو مناسب خیال نہیں کیا۔ اگر اس شورش میں نکلتیں تو یہ آپ کے لیے صحیح ہوتا۔ جہاں تک جنگ جمل میں نکلنے کا تعلق ہے آپ جنگ کے لیے نہیں نکلی تھیں لیکن لوگ آپ سے چمٹ گئے اور انہوں نے طمع کی کہ جب آپ مخلوق کے لیے کھڑی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1535
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1536-1535

ہوں گی تو لوگ حیاء کریں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے گمان کیا یہ اس طرح ہی ہوگا، تو آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اقتدا کرتے ہوئے نکل پڑیں اسلام کا یہ فرمان ہے: لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ (النساء: 114) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا (الحجرات: 9)

اصلاح احوال کا امر ایسا ہے جس کے مخاطب تمام لوگ ہیں، وہ مرد ہوں، عورتیں ہوں، آزاد ہوں یا غلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قضاء سابق کی بنا پر اس کا ارادہ نہ کیا کہ اصلاح واقع ہو، لیکن نیزے پڑے اور زخم لگے یہاں تک کہ قریب تھا کہ دونوں فریق فنا ہو جاتے تو کسی نے اس اونٹ کا قصد کیا اس نے اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ جب اونٹ اس پہلو گرا تو محمد بن ابو بکر نے حضرت عائشہ صدیقہ کو تھام لیا اور انہیں بصرہ لے گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ تیس عورتوں کے ساتھ نکلیں جو عورتیں حضرت علی شیر خدا نے ان کے ساتھ ملائی تھیں، یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو مدینہ طیبہ، برہ، تقیہ اور مجتہدہ کی حیثیت سے پہنچایا جو بھی آپ نے تاویل کی اس میں مصیب اور ثواب کی مستحق تھیں جو بھی کیا اس پر ان کو اجر ملے گا، کیونکہ ہر مجتہد احکام میں مصیب ہوتا ہے۔ سورۃ النحل میں اس اونٹ کا نام گزر چکا ہے اسی کی مناسبت سے وہ دن معروف ہے۔

وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ جوان کو امر کیا گیا اور جس سے منع کیا گیا اس کی اطاعت کرتی ہیں۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ زجاج نے کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ کے وہ اہل ہیں جو اہل بیت شمار ہوتے ہیں۔ جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ اَهْلَ الْبَیْتِ مدح کے طور پر منصوب ہے۔ کہا: اگر تو چاہے تو کہے یہ بدل کے طور پر منصوب ہے کہ رفع اور جر دونوں جائز ہیں۔ نحاس نے کہا: اگر اسے کم سے بدل بناتے ہوئے جر دی جائے تو ابو العباس محمد بن یزید کے نزدیک جائز نہیں۔ کہا: مخاطبہ اور مخاطب سے بدل نہیں بنایا جاتا کیونکہ دونوں بیان کے محتاج نہیں ہوتے۔ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا، تطهیر مفعول مطلق ہے اور اس میں تاکید کا معنی پایا جاتا ہے۔

وَ اذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

"اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا لطف فرمانے والا ہر بات پر باخبر ہے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ یہ الفاظ یہ معنی دیتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہیں۔ اہل علم نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اہل بیت کون ہیں؟ (1)۔ عطا، عکرمہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد صرف آپ کی ازواج ہیں ان کے ساتھ کوئی مرد اہل بیت میں شامل نہیں۔ وہ اس طرف گئے ہیں کہ بیت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ، ایک فرقہ نے کہا: جن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 384

میں کلبی بھی ہیں: مراد حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ہیں (1)۔ اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے کئی احادیث مروی ہیں۔ انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ اگر یہ خاص کر عورتوں کے لیے حکم ہوتا تو یوں ارشاد ہوتا عنکن ویطھرکن مگر یہ احتمال موجود ہے کہ کم ضمیر لفظ اہل کے اعتبار سے ہو، جس طرح ایک آدمی اپنے ساتھی سے کہتا ہے: کیف أھلك مراد ہوتا ہے تیری بیوی یا تیری بیویاں کیسی ہیں؟ وہ کہتا ہے: ھم بخیر وہ اچھی ہیں۔ محل استدلال ھم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ہود: 73)

آیت سے جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آیت تمام اہل بیت کو عام ہے، وہ بیویاں ہوں یا اور۔ فرمایا: وَيُطَهِّرَكُمْ کیونکہ رسول اللہ ﷺ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ان میں شامل تھے۔ جب مذکر اور مونث جمع ہو جائیں تو مذکر کو غلبہ دیا جاتا ہے۔ آیت تقاضا کرتی ہے کہ بیویاں اہل بیت سے ہیں، کیونکہ انہیں کے متعلق ہے اور ان کو یہی خطاب کیا جا رہا ہے۔ اسی پر سیاق کلام بھی دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جہاں تک حضرت ام سلمہ کا تعلق ہے انہوں نے کہا: یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ خیبر کی بنی چادر میں داخل ہو گئے۔ فرمایا: ''یہ میرے اہل بیت ہیں''۔ اور آیت کو پڑھا۔ دعا کی۔ ''اے اللہ! ان سے رجس کو دور کر دے اور انہیں پاکیزہ بنا دے''۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ فرمایا: انت علی مکانك وأنت علی خیر تو اپنے مرتبہ پر ہے اور تو بھلائی پر ہے۔ امام ترمذی اور دوسرے محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے (2)۔

قشیری نے کہا: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے اپنا سر چادر میں داخل کیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں؟ فرمایا: ''ہاں''۔ ثعلبی نے کہا: اہل بیت سے مراد بنو ہاشم ہیں (3)۔ یہ تعبیر دلالت کرتی ہے کہ بیت سے مراد نسب کا بیت ہے تو حضرت عباس، حضور ﷺ کے چچے اور ان کی اولاد اس میں شامل ہوں گے۔ اس کی مثل حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کلبی کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاذْكُرْنَ اللہ تعالیٰ کے خطاب کی ابتدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے امر کا خطاب نبی کریم ﷺ کی بیویوں کو ہو رہا ہے (4)۔ یہ نصیحت کے انداز میں اور اس نعمت کو شمار کرنے کے انداز میں ہے وہ نعمت جو ان کے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت کی باتیں کی جاتی ہیں۔

علماء تاویل کہتے ہیں کہ آیات اللہ سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاذْكُرْنَ ماقبل کے ساتھ متعلق ہے۔ عنکم، اھل کی وجہ سے فرمایا پس اہل مذکر ہے۔ اگرچہ وہ مونث ہیں پھر بھی انہیں مذکر کے ساتھ یاد کیا اس وجہ سے عنکم ہو گیا کلبی اور اس جیسے لوگوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس تفسیر میں ایسی اشیاء پائی جاتی ہیں اگر سلف

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 384 2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 384 4۔ ایضاً

صالحین کے زمانہ میں پائی جاتیں تو وہ اسے اس سے روک دیتے اور اس پر حجر کا حکم لگا دیتے۔ تمام آیات یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا تک سب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ درمیان میں کوئی ایسی کلام ہو جو منفصل ہو اور غیر کے لیے ہو۔ بے شک یہ احادیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چادر کا قصد کیا۔ اسے ان پر لپیٹا، پھر اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا: ''اے میرے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، اے اللہ! ان سے رجس کو دور فرما دے اور انہیں پاکیزہ کر دے'' (1)۔ آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلایا، تو آپ نے پسند کیا کہ انہیں بھی اس آیت کے حکم میں داخل کر دیں جس کے ساتھ ازواج کو خطاب کیا گیا تھا۔ کلبی اور ان کی موافقت کرنے والے اس طرف گئے ہیں اور اس آیت کو ان کے لیے خاص کیا ہے جب کہ ان کے حق میں دعا کرنا تنزیل کے حکم سے خارج ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ذکر کا لفظ تین معانی کا احتمال رکھتا ہے: (۱) وہ نعمت کے محل کو یاد کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے گھروں والا بنا دیا جن میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت کو تلاوت کیا جاتا ہے۔ (۲) وہ اللہ تعالیٰ کی آیات یاد کریں اور ان کی قدر پہچانیں اور ان میں غور و فکر کریں یہاں تک کہ تم میں سے ہر ایک ایسی حالت پر ہو تم اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں سے نصیحت حاصل کرو جس کا یہ حال ہو اس کے لیے مناسب ہے کہ اس کے افعال اچھے ہوں۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَاذْكُرْنَ کا معنی ہے تم یاد کرو، انہیں پڑھو اور زبانوں پر اسے لازم کرو۔ گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو یاد رکھو۔ یہی وہ چیز ہے جن کی تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی صورت میں تلاوت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ جو قرآن حکیم ان کے گھروں میں نازل ہوتا ہے اس کی خبر دیں اور جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال دیکھتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو اقوال سنتی ہیں اس کی خبر دیں تا کہ یہ لوگوں تک پہنچیں تو لوگ ان پر عمل کریں اور اس کی اقتدا کریں۔ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ دین کے معاملہ میں مردوں اور عورتوں کی جانب سے خبر واحد قبول کی جائے گی۔

(۳) ابن عربی نے کہا: اس آیت میں عمدہ مسئلہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو قرآن نازل کیا جائے اس کی تبلیغ کریں اور دین میں سے جن امور سے آگاہ ہوں اس کی تعلیم دیں (2)۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایک پر آیت پڑھ دیتے یا کوئی اتفاقاً اس کو سن لیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرض ساقط ہو جاتا تو اسے جو سنتا اس پر لازم تھا کہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ لازم نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب صحابہ کو یہ ذکر کریں۔ اسی طرح جب آپ کی بیویاں اس کو جان لیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ لازم نہیں تھا کہ لوگوں کی طرف نکلیں اور انہیں کہیں: فلاں حکم نازل ہوا اور یہ نازل نہیں ہوا اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں: شرمگاہ کے چھونے سے وضو کے وجوب کے حکم پر عمل کرنا جائز سمجھتے ہیں (3) وہ بسرہ بنت صفوان سے مروی ہے کیونکہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 39-1538
3۔ ابن ماجہ، باب الوضوء من مس الذکر، حدیث نمبر 471، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

انہوں نے وہی روایت کیا جو انہوں نے سنا اور اسی کو آگے پہنچایا جو انہوں نے یاد کیا یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حکم مردوں تک پہنچتا، جس طرح امام ابوحنیفہ (1) نے کہا کیونکہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایات نقل کی ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں، خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ترمذی نے ام عمارہ انصاریہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے عرض کی: میں ہر چیز مردوں کے لیے دیکھتی ہوں، میں عورتوں کو نہیں دیکھتی کہ ان کا کسی حوالے سے ذکر ہو (2)، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اَلْمُسْلِمِيْنَ، ان کا اسم ہے۔ وَالْمُسْلِمٰتِ اس پر معطوف ہے۔ بصریوں کے نزدیک اسے رفع دینا بھی جائز ہے جہاں تک فراء کا تعلق ہے اس کے نزدیک رفع جائز نہیں مگر اس میں جس میں اعراب ظاہر نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسلام کے ذکر سے آغاز کیا جو ایمان اور اعضاء کے اعمال کو عام ہے پھر ایمان کا ذکر کیا مقصد اس کی تخصیص کرنا اور اس پر آگاہ کرنا ہے کہ ایمان اسلام کا عظیم حصہ اور اس کا سہارا ہے۔ قانت کا معنی عبادت گزار اور مطیع ہے۔ صادق سے مراد ہے وہ اسے پورا کرے جس کا اس سے وعدہ لیا گیا۔ صابر جو ناپسندیدہ اور پسندیدہ حال میں شہوات سے اور طاعات پر صبر کرے۔ خاشع سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ڈرنے والا، متصدق فرض و نفل صدقہ کرنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں اس سے مراد فرض صدقہ دینے والا ہے۔ پہلا قول زیادہ مدح کا باعث ہے۔ صائم بھی اسی طرح ہے۔

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وہ اپنی شرمگاہوں کو زنا وغیرہ جو امور حلال نہیں سے حفاظت کرنے والے ہیں۔

1۔ امام اعظم کا استدلال یہ ہے کہ حضرت بسرہ کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ سے اس بارے میں مرفوع روایات ہیں جو اس روایت کے مقابلہ میں متعدد اور نقل قوی ہیں۔ اسی لیے ان روایات پر عمل کیا جائے گا۔

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 53-152

الْحٰفِظٰتِ میں حذف ہے جس پر متقدم کلام دلالت کرتی ہے تقدیر کلام یہ ہے والحافظاتھا متقدم پر یہی اکتفا کیا۔ الذاکرات بھی اسی کی مثل ہے اس کی مثل شاعر کا قول ہے:

وَكُمَيْتًا مُدَمَاةً كَأَنَّ مُتُونَهَا جرى فوقها واستشعرتْ لَوْنَ مُذْهَبِ

کمیت یہ اکمت کی جمع ہے یہ ایسی سرخی ہے جو سیاہی مائل ہو مدماۃ سونے کی طرح سرخ۔ متون یہ متن کی جمع ہے جس کا معنی پشت ہے۔

سیبویہ نے لَوْنَ مُذْهَبِ نصب کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ہاء کو حذف کرتے ہوئے لون پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے گویا کہا: واستشعرتہ اس کے بارے میں جو لون کو رفع دے۔ الذاکر کی مراد کے بارے میں ایک قول ہے: جو نمازوں کے بعد اور صبح و شام ذکر کرتے ہیں بستروں پر لیٹے ہوئے اور نیند سے بیدار ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ سب مباحث ان کے مواقع پر مفصل گزر چکی ہیں اور ان پر جو فوائد اور احکام مرتب ہوتے ہیں وہ بھی مفصل گزر چکے ہیں۔ اس لیے اعادہ سے انہوں نے غنی کر دیا ہے۔ الحمدللہ رب العالمین۔ مجاہد نے کہا: ایک آدمی اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والا اس وقت تک نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹ کر ذکر نہ کرے (1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے اپنے اہل کو رات کے وقت اٹھایا اور دونوں نے چار رکعت نماز پڑھی تو ان دونوں کو کثرت سے ذکر کرنے والوں اور کثرت سے ذکر والیوں میں لکھ لیا جائے گا (2)۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

''نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو جب فیصلہ فرما دے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اپنے اس معاملہ میں اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قتادہ، حضرت ابن عباس اور مجاہد نے اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کو دعوت نکاح دی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں حضرت زینب نے یہ گمان کیا کہ دعوت نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے دی ہے جب انہیں یہ پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت زید کا ارادہ رکھتے ہیں تو انہوں نے اسے ناپسند کیا، انکار کیا اور ایسا کرنے سے مانع ہو گئیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس وقت حضرت زینب نے بات مان لی اور حضرت زید سے شادی کر لی۔ ایک روایت میں ہے یہ خود بھی اس سے انکاری ہوئیں اور ان کا بھائی عبداللہ بھی اس سے انکاری

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 466

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، الحث علی قیام اللیل، جلد 1، صفحہ 205۔ ایضاً، حدیث نمبر 1114، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوا کیونکہ قریش میں ان کا بڑا ذیشان خاندان تھا۔ حضرت زید پہلے غلام تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ان کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: جو چاہیں مجھے حکم دیں، اور حضرت زینب کی شادی حضرت زید سے کر دی۔ ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی، اس نے اپنا آپ نبی کریم ﷺ کو ہبہ کیا تو حضور ﷺ نے اس کی شادی حضرت زید بن حارثہ سے کر دی، تو حضرت ام کلثوم اور اس کے بھائی نے اسے ناپسند کیا۔ دونوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کا ارادہ کیا تو آپ نے ہمارا رشتہ کسی اور سے کر دیا تو اس وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی تو دونوں نے حضرت زید سے شادی کو قبول کر لیا؛ یہ ابن زید کا قول ہے (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی نافرمانی کریں (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ مَا كَانَ، یا ینبغی اور اس جیسے جو الفاظ ہیں ان کا معنی حظر اور منع ہے بعض اوقات یہ الفاظ حظر شرعی اور حظر حکم کے لیے آتا ہے یعنی ایسا نہیں ہوگا، جس طرح اس آیت میں ہے بعض اوقات وہ شے عقلاً ممتنع ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (النمل: 60) بعض اوقات اس کے ممتنع ہونے کا علم شرعی طور پر ہوتا ہے۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (الشوریٰ: 51) بعض اوقات یہ امر مندوب ہوتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: ما کان لک یا فلان أن تترک النوافل اے فلاں! تیرے لیے مناسب نہیں کہ تو نوافل ترک کردے، اس کی مثل دو مثالیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں دلیل ہے بلکہ یہ اس امر میں نص ہے کہ حسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہوتا دیانت میں کفاءت کا اعتبار ہوتا ہے۔ امام مالک، امام شافعی، مغیرہ اور سحنون نے اس میں اختلاف کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غلاموں نے قریش میں شادیاں کیں۔ حضرت زید بن حارثہ نے حضرت زینب بنت جحش سے شادی کی۔ حضرت مقداد بن اسود نے حضرت ضباعہ بنت زبیر سے شادی کی۔ حضرت ابو حذیفہ نے حضرت سالم کی شادی حضرت فاطمہ بنت ولید بن عتبہ سے کی۔ حضرت بلال نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی بہن سے شادی کی۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ کوفیوں نے ان یکون یاء کے ساتھ قراءت کی ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے، کیونکہ فعل اور فاعل جو مؤنث ہے اس میں فاصلہ ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ قراءت کی ہے کیونکہ لفظ مؤنث ہے اور فعل کی تانیث اچھی ہے اور فعل کو مذکر لانا اختیاری ہوتا ہے۔ الخیرۃ مصدر ہے جو اختیار کے معنی میں ہے۔ ابن سمیقع نے الخیرۃ یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے پھر اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی اور خبر دی کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے، یہ وہ سب سے قوی دلیل ہے جس کی طرف ہمارے فقہاء کے جمہور گئے ہیں، امام شافعی کے بعض اصحاب اور بعض اصولی گئے ہیں کہ افعل کا صیغہ اپنی اصل وضع میں وجوب کے لیے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 5-404

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 296

اس کے رسول کا اور سننے کے بعد مکلف سے اختیار کی نفی کی ہے، پھر امر کے صادر ہونے کے بعد جس کے لیے اختیار باقی ہو اس کے لیے معصیت کا اسم ذکر کیا پھر معصیت پر ضلال کو معلق کیا پس امر کا وجوب پر حمل لازم آ گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

”اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا: اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر، اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ (اس عمل سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں اور اللہ کا حکم تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے“۔

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ امام ترمذی نے روایت کیا علی بن حجر، داؤد بن زبرقان سے وہ داؤد بن ابی ہند سے وہ شعبی سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کوئی چیز چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت کے ساتھ اس پر انعام کیا (1)۔ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اور آپ نے اسے آزاد کرتے ہوئے اس پر انعام کیا۔ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس سے شادی کی تو لوگوں نے کہا: آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو متبنیٰ بنایا تھا جب کہ وہ چھوٹا تھا وہ آپ کے پاس ہی رہا یہاں تک کہ وہ جوان ہو گیا، اسے زید بن محمد کہا جاتا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ فلاں فلاں کا مولیٰ ہے اور فلاں فلاں کا بھائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مناسب اور قرین انصاف ہے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث غریب

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152

ہے۔ داؤد بن ابی ہند نے شعبی سے وہ مسروق سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کسی چیز کو چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ یہ الفاظ اپنی طوالت کے ساتھ مروی نہیں (1)۔

میں کہتا ہوں: اتنی مقدار ہی کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے (2)۔ اسی کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں صحیح قرار دیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ حضرت زینب بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے بڑھ کر شدید کوئی آیت رسول اللہ پر نازل نہیں کی (3)۔ حضرت حسن بصری اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وحی میں سے کوئی چیز چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے کیونکہ یہ آیت آپ پر بہت شدید تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت زید نے شام کی اور اپنے بستر پر لیٹے، حضرت زینب نے کہا: زید نے مجھ پر استطاعت نہ رکھی میں اس سے نہیں بچتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے روک دیا تھا، وہ مجھ پر قدرت نہیں رکھتا تھا۔ یہ روایت ابو عصمہ نوح بن ابی مریم کی روایت ہے۔ حدیث کو زینب تک پہنچایا ہے کہ انہوں نے یہ قول کیا ہے۔

بعض روایات میں ہے: حضرت زید بن حارثہ حضرت زینب کے قریب ہونا چاہتے تو انہیں اس وجہ سے ورم لاحق ہو جاتا۔ یہ بھی پہلی روایت کے قریب ہی ہے۔ حضرت زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ عرض کی: حضرت زینب اپنی زبان سے مجھے اذیت دیتی ہیں اور یہ کہتی ہیں، میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ میں اسے طلاق دے دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو''۔ حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ۔

لوگوں نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے، قتادہ، ابن زید اور مفسرین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے ان میں طبری وغیرہ بھی ہے (4) کہ حضرت زینب بنت جحش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی لگیں جب کہ وہ حضرت زید کے عقد میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حریص تھے کہ حضرت زید اسے طلاق دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس سے شادی کریں۔ پھر جب حضرت زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی خبر دی کہ وہ ان سے جدائی کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کی زبان کی سختی اور نافرمانی، زبانی اذیت اور شرف میں بڑائی کی شکایت کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''اللہ سے ڈر جو تو اس کے بارے میں اظہار خیال کرتا ہے اور اپنی بیوی اپنے پاس روک لے''۔ جب کہ آپ اس کے حریص تھے کہ حضرت زید اسے طلاق دے دیں۔ یہی وہ امر تھا جو آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے، مگر جو امر بالمعروف واجب تھا اس کو لازم پکڑا۔ مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کی شادی حضرت زید سے کر دی۔ حضرت زینب ان کے پاس کچھ عرصہ تک

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، و تخفی فی نفسک، جلد 2، صفحہ 706
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 297
4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 386

رہیں پھر حضور سلی ﷺ حضرت زید کی تلاش میں ان کے پاس آئے، تو آپ نے حضرت زینب کو کھڑے ہوئے دیکھا وہ سفید رنگ کی خوبصورت اور جسیم عورت تھی اور قریش کی کامل ترین عورت تھی، تو حضور ﷺ ان سے محبت کرنے لگے۔ اور کہا: سبحان اللہ مقلب القلوب (1) میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہوں اے دلوں کے پھیرنے والے! حضرت زینب نے تسبیح کوسن لیا اور اس کا ذکر حضرت زید سے کیا۔ حضرت زید اسے سمجھ گئے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ مجھے حضرت زینب کو طلاق دینے کی اجازت دیجئے کیونکہ اس میں کبر اور مجھ پر بڑائی کا احساس ہے اور مجھے اپنی زبان سے اذیت دیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنی بیوی اپنے پاس رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی اس نے پردہ کو ہٹا دیا اور حضرت زینب اپنے گھر میں کام کاج والا لباس پہنے ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت زینب کو دیکھا تو وہ حضور ﷺ کے دل میں ذیشان محسوس ہوئیں۔ اور حضرت زینب کے دل میں خیال گزرا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو بھلی لگی ہیں یہ اس وقت ہوا تھا جب نبی کریم ﷺ حضرت زید کی تلاش میں آئے تھے حضرت زید آئے تو حضرت زینب نے انہیں بتایا تو حضرت زید کے دل میں خیال گزرا کہ وہ حضرت زینب کو طلاق دے دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ آپ اپنے دل میں ان کی محبت کو چھپاتے ہیں وَ تَخْشَى النَّاسَ آپ لوگوں سے حیا محسوس کرتے ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ڈرتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے ناپسند کرتے ہیں اگر آپ اسے کہیں کہ اسے طلاق دے دے وہ کہیں گے: حضور ﷺ نے ایک آدمی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا پھر جب اس نے طلاق دے دی تو اس سے نکاح کر لیا۔ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ اللہ تعالیٰ اس امر کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ ہر حال میں اس سے ڈریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے حیا کریں۔ آپ ﷺ حضرت زید کو حکم نہ دیں کہ وہ اپنی بیوی کو روکے رکھے بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا ہے کہ وہ عنقریب آپ کی بیوی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس تمام امر پر آپ کو عتاب کیا۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف وحی کی کہ حضرت زید، حضرت زینب کو طلاق دیں گے اور آپ اس سے شادی کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی شادی اس سے کر دے گا (3)۔ جب حضرت زید نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت زینب کے اخلاق کی شکایت کی اور یہ شکایت کی کہ وہ ان کی اطاعت نہیں کرتی، اور یہ بتایا کہ وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے بطور ادب و وصیت اسے فرمایا: ''اپنی بات میں اللہ سے ڈر اور اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھو''۔ جب کہ آپ جانتے تھے کہ حضرت زید، حضرت زینب سے جدائی اختیار کر لیں گے اور حضور ﷺ اس سے شادی کریں گے۔ یہی وہ بات تھی جو آپ نے اپنے دل میں چھپائی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے یہ ارادہ کیا کہ اسے طلاق کا حکم دیں اس وجہ سے کہ آپ جانتے تھے کہ آپ عنقریب اس سے نکاح کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ ڈرے کہ آپ کو لوگوں کی یہ بات لاحق ہوگی کہ آپ نے حضرت زید کے بعد حضرت زینب سے شادی کی ہے جب کہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 468 2۔ ایضاً 3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 386

حضرت زید آپ کے غلام تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی بات پر عتاب کیا کہ آپ لوگوں سے اس معاملہ میں ڈر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مباح کر دیا ہے کہ آپ نے یہ کہا اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو جب کہ آپ کو علم تھا کہ حضرت زید، حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے۔ اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے یعنی ہر حال میں ڈرا جائے۔ ہمارے علماء نے کہا: اس آیت کی تاویل میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ ان سب سے احسن ہے۔ محقق مفسرین اور راسخ علماء کا یہی نقطہ نظر ہے جس طرح زہری، قاضی بکر بن علاء قشیری، قاضی ابو بکر بن عربی وغیرہم۔ وَ تَخْشَى النَّاسَ سے مراد یہ ہے کہ منافقین شور مچائیں گے کہ آپ نے اپنے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے سے منع کیا اور خود اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی بیوی سے محبت کرنے لگے اور بعض محبت کرنے والوں نے اس کے لیے لفظ عشق استعمال کیا یہ ایسے آدمی سے اس قسم کا لفظ صادر ہو سکتا ہے جو عصمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاہل ہے یا آپ کی حرمت کی پامالی کرنے والا ہے۔ ترمذی حکیم نے ''نوادر الاصول'' میں کہا اور اپنے قول کی نسبت حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی طرف کی: حضرت علی بن حسین اسے خزانہ علم سے جواہرات میں سے ایک جوہر اور موتیوں میں سے ایک موتی لائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب اس لیے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا تھا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہوگی تو پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے کیسے فرمایا: ''اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھو'' اور تجھے لوگوں کے خوف نے آ لیا کہ وہ کہیں گے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ اس کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ نحاس نے کہا: بعض علماء نے کہا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خطا نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس امر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو توبہ کا حکم دیا گیا اور نہ ہی استغفار کا حکم دیا گیا۔ بعض اوقات ایک امر خطا نہیں ہوتا مگر اس کا غیر اس سے احسن ہوتا ہے، آپ نے اسے اس لیے پوشیدہ رکھا کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے کہ کس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے فرمایا: ''اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھو'' (1)۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا تھا کہ حضرت زینب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے والی ہیں؟ ہم کہیں گے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ اس امر کو جان لیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ نہیں کیا تھا کیا حضرت زید اس میں رغبت رکھتے ہیں یا اس سے اعراض کرنے والے ہیں؟ تو حضرت زید نے ان سے اپنی نفرت اور کراہت کو ظاہر کر دیا جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کے حضرت زینب کے بارے میں رویہ سے آگاہ نہ تھے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اسے اپنے پاس روکنے کا کہیں جب کہ آپ جانتے تھے۔ جدائی تو ضروری ہے؟ یہ تو تناقض ہے۔ ہم کہیں گے: بلکہ یہ مقاصد صحیحہ کے لیے صحیح رویہ ہے تاکہ حجت قائم ہو جائے اور عاقبت کا پتہ چل جائے کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ بندے کو ایمان کا حکم دیتا ہے جب کہ اسے علم ہوتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لانے گا۔ امر کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1544

متعلق علم کے متعلق کے خلاف ہونا ایسی چیز نہیں جو امر کے مانع ہو نہ یہ عقلاً ایسا ہے اور نہ یہ حکماً ایسا ہے۔ یہ نفس علم ہے اس پر یقین رکھو اور اسے قبول کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاتَّقِ اللّٰهَ اسے طلاق دینے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اسے طلاق نہ دو یہاں نہی تنزیہی کا ارادہ کیا ہے نہی تحریمی کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ اولیٰ یہی ہے کہ وہ اسے طلاق نہ دے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ سے ڈر، اس کی مذمت اس بنا پر نہ کر کہ تو اس کی طرف کبر اور خاوند کو اذیت دینے کی نسبت کرے۔ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد قلبی لگاؤ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد زید کا حضرت زینب سے جدائی اختیار کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جاننا ہے کہ حضرت زید اسے عنقریب طلاق دے دیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا تھا کہ ایسا ہوگا۔

مسئلہ نمبر 3۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے فرمایا: ''میں تجھ سے زیادہ اپنے لیے کسی کو قابل اعتماد نہیں سمجھتا جاؤ حضرت زینب کو میری طرف سے دعوت نکاح دو'' (1)۔ حضرت زید نے کہا: میں گیا اور انہیں اپنی پشت کی جانب رکھا مقصود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم تھی میں نے انہیں دعوت نکاح دی تو وہ اس سے خوش ہو گئیں اور کہا: میں کوئی کام کرنے والی نہیں یہاں تک کہ میں اپنے رب سے مشورہ کرلوں۔ تو وہ اپنی مسجد کی طرف اٹھیں اور قرآن کا حکم نازل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی اور انہیں اپنے حرم میں داخل کیا۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی صحیح میں ثابت ہے اور امام نسائی نے یہ باب باندھا ہے۔ صلاۃ المرأۃ إذا خطبت و استخارتها ربها۔ ائمہ نے اسے روایت کیا الفاظ مسلم کے ہیں۔ حضرت انس سے مروی ہے: جب حضرت زینب کی عدت ختم ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے فرمایا: ''اسے میری جانب سے دعوت نکاح دو'' (2)۔ کہا: حضرت زید گئے یہاں تک کہ ان تک پہنچے جب کہ وہ آٹا گوندر ہی تھیں۔ حضرت زید نے کہا: جب میں نے حضرت زینب کو دیکھا تو اس کی وجہ سے میرے اوپر ہیبت طاری ہوگئی یہاں تک کہ میں انہیں دیکھ بھی نہ سکا اور اس کی جرأت بھی نہ ہوئی کہ میں کہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کیا ہے، میں نے انہیں اپنی پشت کی جانب کیا اور اپنی ایڑیوں پر پلٹا میں نے کہا: اے زینب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے آپ تیرا ذکر کر رہے تھے۔ حضرت زینب نے کہا: میں کوئی چیز کرنے والی نہیں یہاں تک کہ میں اپنے رب سے مشورہ کروں، وہ اپنی مسجد کی طرف اٹھیں قرآن نازل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بغیر اجازت اندر تشریف لائے۔ کہا: ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں روٹی اور گوشت کھلایا جب دن طویل ہوگیا۔ ایک روایت میں ہے: یہاں تک کہ صحابہ نے آپ کو چھوڑا۔ حضرت انس کی روایت میں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے شادی پر ایسا ولیمہ کیا ہو جیسا ولیمہ حضرت زینب کے ساتھ شادی پر کیا۔ آپ نے ایک بکری ذبح کی۔ ہمارے علماء نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زید کو یہ فرمانا فاذکرھا علی سے مراد ہے اسے دعوت نکاح دو، جس طرح پہلی حدیث وضاحت کرتی ہے۔ یہ حضرت زید کا امتحان تھا تا کہ ان کا صبر، اطاعت اور رضامندی ظاہر ہو۔ اس سے یہ استدلال کیا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 387
2۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، زواج بنت جحش، جلد 1، صفحہ 61-460

جا سکتا ہے کہ کوئی آدمی اپنے ساتھی کو کہے: فلاں کو میری طرف سے دعوت نکاح دو یعنی جو اس دوست کی مطلقہ بیوی تھی۔ اس میں کوئی حرج نہیں، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب حضرت زینب نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اس کا سپرد کرنا صحیح ثابت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نکاح کے عمل کو اپنے ذمہ لے لیا، اسی وجہ سے فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ امام جعفر صادق بن محمد اپنے آباء سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے بارے میں آگاہ کیا تو بغیر اجازت کے آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ نہ نیا نکاح کیا گیا اور نہ ہی مہر مقرر ہوا (1)۔ اور ہمارے حقوق میں جو شرط ہے اور جو ہمارے لیے مشروع ہے اس میں سے کوئی بھی چیز نہ ہوئی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے جن میں کوئی آپ کے ساتھ شریک نہیں۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اسی وجہ سے حضرت زینب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں اور کہتی تھیں: تمہاری شادیاں تمہارے آباء نے کیں اور میری شادی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی (2)۔ امام نسائی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت زینب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں اور کہتیں: اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح آسمان میں کیا۔ انہیں کے بارے میں حجاب کا حکم نازل ہوا (3)۔ اس کی بحث آگے آئے گی۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس آیت میں منعم علیہ حضرت زید بن حارثہ ہیں جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کی خبر سورت کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ ان کا چچا ایک دن انہیں مکہ مکرمہ میں ملا، وہ مکہ مکرمہ میں اپنے ایک کام کے لیے آیا تھا۔ اس نے پوچھا: تیرا کیا نام ہے اے بچے؟ آپ نے جواب دیا: زید۔ اس نے پوچھا: تو کس کا بیٹا ہے؟ جواب دیا: حارثہ کا بیٹا ہوں۔ پوچھا: وہ کس کا بیٹا ہے؟ آپ نے جواب دیا: شراحیل کلبی کا۔ اس نے پوچھا: تیری ماں کا کیا نام ہے؟ آپ نے جواب دیا: سعدی۔ اور میں بنوطی کے ننہال سے ہوں۔ چچا نے حضرت زید کو اپنے سینہ سے لگایا۔ اور چچا نے اپنے بھائی اور قوم کو پیغام بھیجا تو وہ حاضر ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ رہے۔ انہوں نے پوچھا: تو کس کی زیر کفالت ہے؟ حضرت زید نے جواب دیا: حضرت محمد بن عبداللہ کے ہاں۔ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور گزارش کی: یہ ہمارا بیٹا ہے۔ اسے ہماری طرف لوٹا دیں۔ فرمایا: میں یہ معاملہ اس پر پیش کرتا ہوں اگر اس نے تمہیں اختیار کیا تو اس کا ہاتھ پکڑ لینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی طرف پیغام بھیجا۔ فرمایا: کیا تو انہیں پہچانتا ہے؟ عرض کی: جی ہاں۔ یہ میرا باپ ہے، یہ میرا بھائی ہے اور یہ میرا چچا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''میں تیرے لیے کیسا مالک ہوں؟'' تو حضرت زید رونے لگے اور عرض کی: آپ نے مجھ سے اس بارے میں کیوں پوچھا ہے؟ فرمایا: ''میں تجھے اختیار دینا چاہتا ہوں اگر تو پسند کرے کہ ان کے ساتھ جائے تو ان کی طرف چلے جانا اگر تو ارادہ کرے کہ تو یہاں ہی رہے تو مجھے تو پہچانتا ہی ہے''۔ حضرت زید نے عرض کی: میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ ان کے چچا نے انہیں اپنی طرف کھینچا اور کہا: اے زید! تو نے اپنے باپ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 387 2۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 1104 3۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 75

اور چچا پر غلامی کو ترجیح دی ہے۔ حضرت زید نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ہاں غلامی مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں تمہارے پاس ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''گواہ رہنا میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہے''۔ تو پھر زید بن محمد کے نام سے وہ پکارے جاتے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ اور یہ آیت نازل ہوئی: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام ابو القاسم عبد الرحمٰن سہیلی نے کہا: ان کو زید بن محمد ہی پکارا جاتا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ تو انہوں نے کہا: میں زید بن حارثہ ہوں۔ ان پر یہ کہنا حرام ہو گیا: انا زید بن محمد جب ان سے یہ شرف اور یہ فخر لے لیا گیا اور اللہ تعالیٰ کو ان کی وحشت و تنہائی کا علم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی خصوصیت سے نوازا جس کے ساتھ کوئی صحابی خاص نہیں وہ خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کا نام لیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ضمیر سے مراد حضرت زینب ہے اللہ تعالیٰ جس کا نام قرآن حکیم میں رکھ دے تو اس کا نام بھی قرآن ہو گیا جس کو عبادت گاہوں میں تلاوت کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ انہیں انتہائی شہرت سے نوازا۔ اس میں آپ کے لیے انس تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت کے فخر کے مقابلہ میں اس عزت سے نوازا گیا۔ آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ قول سنا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ پر فلاں سورت پڑھوں'' (1)۔ تو وہ رونے لگے عرض کی: کیا میرا وہاں ذکر ہوا؟ ان کا یہ رونا خوشی کے طور پر تھا، جب انہیں یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کیا ہے تو اس کا کیا حال ہو گا جس کا اسم قرآن میں ہو گا جس کو ہمیشہ تلاوت کیا جائے گا جو کبھی ختم نہ ہو گا۔ جب اہل دنیا قرآن کو پڑھیں گے تو اسے بھی پڑھیں گے۔ اہل جنت کا بھی یہی حال ہے یہ مومنوں کی زبانوں پر ہمیشہ رہے گا، جس طرح رب العالمین کے ہاں اس کا خصوصی ذکر ہوتا رہے گا کیونکہ قرآنی کلام قدیم ہے وہ باقی رہنے والا ہے ختم نہ ہو گا۔

حضرت زید کا نام ان مکرم، مرفوع اور مطہر صحیفوں میں موجود ہے سفرہ کراما بررۃ، تلاوت کرتے وقت اس کا ذکر کرتے ہیں یہ شرف مومنوں کے ناموں میں سے کسی نام کو حاصل نہیں مگر انبیاء میں سے نبی کے اسم کو حاصل ہے۔ حضرت زید بن حارثہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ بدلہ عطا ہوا جو آپ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اب ہونے کا شرف لیا تھا۔ آیت میں یہ زائد ہے کہ فرمایا: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ اس پر انعام فرمایا۔ تو یہ اس امر پر دال ہے کہ وہ جنتی ہے۔ اس کا علم موت سے پہلے ہو گیا یہ ایک اور فضیلت ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَطَرًا، وطر مرد کی اس حاجت کو کہتے ہیں جس میں اسے کوئی پریشانی لاحق ہو۔ اس کی جمع اوطار ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس حاجت کا ارادہ کیا یعنی جماع تو اس کو پورا کر چکے۔ اس میں اضمار ہے، یعنی جب حضرت زید نے حاجت پوری کر لی اور اسے طلاق دے دی تو ہم نے آپ کی اس سے شادی کر دی۔ اہل بیت کی قراءت زوجتکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وطر سے مراد طلاق ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، لم یکن الذی، جلد 2، صفحہ 741

مسئلہ نمبر 8۔ بعض علماء اس آیت سے اور حضرت شعیب (1) کے قول اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ (القصص: 27) سے اس نقطہ نظر کی طرف گئے ہیں کہ نکاح میں اس معنی کی ترتیب اس طرح ہونی چاہیے انکحه ایاها خاوند کی ضمیر پہلے ہو جس طرح دونوں آیتوں میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر والے سے یہ فرمایا تھا: اذهب فقد أنكحتكها بما معك من القرآن جا میں نے تیرا اس عورت سے نکاح کر دیا ہے اس کے بدلے میں جو تیرے پاس قرآن ہے (2)۔

ابن عطیہ نے کہا: یہ کوئی لازم نہیں کیونکہ خاوند اس آیت میں مخاطب ہے تو اس کو مقدم رکھنا اچھا تھا (3)۔ نکاح میں دونوں برابر ہیں پس جس کو چاہے مقدم کر دے۔ اب مردوں کے درجہ کے علاوہ ترجیح کی کوئی صورت باقی نہ رہی کیونکہ مرد ہی گھر کا نظام چلانے والے ہیں۔

مسئلہ نمبر 9۔ زَوَّجۡنٰكَهَا اس امر پر دلیل ہے کہ نکاح میں ولی کی حیثیت ثابت ہے۔ اس بارے میں اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے باہم فخر کیا۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں وہ ہوں جسے فرشتہ سفید ریشم کے ایک ٹکڑا میں لایا اور اس نے کہا: یہ آپ کی زوجہ ہے۔ صحیح نے اسے نقل کیا ہے (4)۔

حضرت زینب نے کہا: میں وہ ہوں جس کی شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے اوپر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) کی (5)،

امام شعبی نے کہا: حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتیں: میں تین باتوں کی وجہ سے آپ پر ناز و ادا کر سکتی ہوں۔ آپ کی ازواج میں سے کوئی ان کے ساتھ ناز و ادا نہیں کر سکتیں۔ میرے جد اعلیٰ اور آپ کے جد اعلیٰ ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ میرا نکاح آسمان میں کیا۔ اور اس میں سفیر حضرت جبریل امین تھے (6)۔ حضرت زینب سے مروی ہے: جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں قدر و منزلت والی ہوئی تو حضرت زید مجھ پر کوئی قدرت نہیں رکھتے وہ اس سے نہ رکے مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے روک دیا تو وہ مجھ پر قادر نہ ہوئے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنۡ حَرَجٍ فِيۡمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ كَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَا ۣ ۙ﴿۳۸﴾ الَّذِيۡنَ يُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخۡشَوۡنَهٗ وَلَا يَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ﴿۳۹﴾

"نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ ایسے کام کرنے میں جنہیں حلال کر لیا ہے اللہ نے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے ان (انبیاء) کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ایسا فیصلہ ہوتا ہے جو طے پا چکا ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں وہ نہیں ڈرا کرتے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا"۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 387
2۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، التزویج علی القرآن، جلد 2، صفحہ 774
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 387
4۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل۔ فی فضل عائشہ، جلد 2، صفحہ 285
5۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 2، صفحہ 1104
6۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 387

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام امت کو خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا یہ اور اس طرح کی دوسری چیزیں انبیاء کی قدیمی سنتیں ہیں کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کیا۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکاح میں جو وسعت عطا کی یہ گزشتہ انبیاء کی سنت تھی جس طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ ثعلبی نے مقاتل اور ابن کلبی سے روایت نقل کی ہے کہ اشارہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور جس عورت کی وجہ سے آپ آزمائش میں پڑے دونوں کو اللہ تعالیٰ نے جمع کیا۔ سنۃ کا لفظ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی سن اللہ له سنة واسعة، الذين خلوا اس سے مراد انبیاء ہیں۔ اس کی دلیل وہ صفت ہے جس کا ذکر بعد میں کیا۔ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

''نہیں ہے محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تو لوگوں نے کہا: آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کی ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی حضرت زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے نہیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی بیوی حرام ہوتی، بلکہ آپ اپنی امت کے باپ ہیں۔ یہ شان اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ان پر حرام ہیں منافقوں اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں جو کچھ واقع ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ساتھ سب کو دور کر دیا۔ یہ چیز ذہن نشین کر لو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر تھے۔ اس آیت سے یہ مقصد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ آپ کے مذکر بچے ہوئے حضرت ابراہیم، حضرت قاسم، حضرت طیب اور حضرت طاہر، لیکن کوئی بیٹا زندہ نہ رہا یہاں تک کہ وہ مرد کہلاتا۔ جہاں تک حضرت حسن اور حضرت حسین کا تعلق ہے وہ آپ کے ہم عصر مرد نہیں تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ اخفش اور فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ولکن کان رسول اللہ دونوں نے رفع کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اسی طرح ابن ابی عبلہ اور بعض لوگوں نے ولکن رسول اللہ رفع کے ساتھ قراءت کی ہے معنی ہوگا ھو رسول اللہ و خاتم النبیین ایک جماعت نے ولکن نون کی تشدید کے ساتھ قراءت کی ہے۔ رسول اللہ کو نصب اس بنا پر دی کہ لکن کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے۔ عاصم نے صرف وخاتم تاء کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے معنی ہوگا آپ کے ساتھ ان پر مہر لگائی گئی۔ پس آپ خاتم اور طابع کی طرح ہوئے۔ جمہور نے تاء کے کسرہ کے

ساتھ قراءت کی۔ معنی ہے آپ نے ان کو ختم کر دیا ہے یعنی آپ ان کے آخر میں آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاتِم اور خاتَم دو لغتیں ہیں جس طرح طابِع اور طابَع۔ دانِق اور دانَق، طابِق اور طابَق۔ آخری الفاظ گوشت کی کڑاہی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ الفاظ علماء امت کی جماعت کے ہاں، وہ اسلاف میں سے ہوں یا بعد کے عموم تام کے لیے ہیں اور اس بیان کا تقاضا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں (1)۔ قاضی ابو الطیب نے اپنی کتاب جو ''ہدایہ'' کے نام کے ساتھ موسوم ہے میں جو یہ ذکر کیا ہے اس آیت کے الفاظ میں احتمال کو جائز قرار دیا ہے، ضعیف ہے۔ اور اس آیت کی تفسیر میں امام غزالی نے جو ذکر کیا ہے یہ مفہوم ان کی اس کتاب میں ہے جسے انہوں نے ''الاقتصاد'' کا نام دیا ہے میرے نزدیک الحاد ہے۔ اور ختم نبوت کے بارے میں مسلمانوں کا جو عقیدہ ہے اس میں تشویش کرنے کی خبیث کوشش ہے۔ اس سے بچو، اس سے بچو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ہدایت دینے والا ہے۔

میں کہتا ہوں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''میرے بعد نبوت میں سے کوئی چیز نہیں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے'' (2)۔ ابو عمرو نے کہا: جس کی استثنا کی وہ خواب ہیں؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ سچے خواب نبوت کا جز ہیں۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے بعد نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی صرف سچے خواب''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قراءت کی: من رجالکم ولکن نبیا ختم النبیین (3) رمانی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اصلاح احوال کو ختم کر دیا۔ جو آدمی آپ کے ذریعے اپنی اصلاح نہیں کرتا تو اس کی اصلاح سے قطعی مایوسی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (4) مجھے مبعوث کیا گیا ہے تا کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''میرے اور انبیاء کی مثال ایسے آدمی جیسی ہے جس نے گھر بنایا اسے مکمل کیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس گھر میں داخل ہوئے اور اس پر تعجب کا اظہار کرتے اور کہتے اس اینٹ کی جگہ کو کیوں نہیں مکمل کیا'' (5)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اس اینٹ کی جگہ ہوں میں آیا اور انبیاء کے سلسلہ کو ختم کر دیا''۔ اسی کی مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر یہ کہا: ''میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝

''اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا ذکر کریں اور اس کا شکر بجا لائیں اور ذکر کثرت سے کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 388
2۔ سنن ابن ماجہ، تعبیر الرویا، الرؤیا الصالح، صفحہ 286
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 388
4۔ السنن الکبریٰ، کتاب الشہادات، جلد 10، صفحہ 192
5۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، ذکر کونہ خاتم النبیین، جلد 2، صفحہ 248

نے ان پر انعام کیا اللہ تعالیٰ نے بندے کی سہولت کی خاطر اسے بغیر کسی حد کے بنایا ہے۔ اور اس لیے بھی کیونکہ اس میں اجر عظیم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کا ذکر ترک کرنے میں کوئی معذور نہیں مگر جس کا عقل مغلوب ہو(1)۔ حضرت ابوسعید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: ''اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو یہاں تک لوگ کہیں کہ یہ مجنون ہے''(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذکر کثیر وہ ہے جو دل کے اخلاص کے ساتھ ہو۔ اور قلیل ذکر وہ ہے جو نفاق کی صورت میں ہو جس طرح صرف زبان سے ذکر۔

یعنی اپنے احوال کے اکثر حصہ میں اپنی زبانوں کو تسبیح (سبحان اللہ) تہلیل (لا الہ الا اللہ) تحمید (الحمد للہ) اور تکبیر (اللہ اکبر) کے ساتھ مشغول رکھا کرو۔ مجاہد نے کہا: یہ وہ کلمات ہیں جنہیں پاکیزہ، جس کا وضو نہ ہو اور جنبی بھی کہہ سکتا ہے(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اس کی بارگاہ میں دعا کیا کرو۔ جریر نے کہا:

فلا تنس تسبیح الضُّحی إن یوسفًا	دَعَا ربّه فاختاره حین سبّحا(4)

چاشت کی دعا نہ بھولو کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس وقت چن لیا جب انہوں نے دعا کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے صبح وشام اللہ کی نماز پڑھا کرو۔ نماز کو تسبیح کہتے ہیں۔ فجر، مغرب اور عشاء کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ یہ برانگیختہ کیے جانے کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ یہ رات کی اطراف کے ساتھ متصل ہیں۔ قتادہ اور طبری نے کہا: اشارہ صبح اور عصر کی نماز کی طرف ہے(5)۔ الاصل سے مراد پچھلا پہر ہے اس کی جمع اصائل اور الاصل یہ اصیل کے معنی میں ہے اس کی جمع آصال آتی ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اصل یہ اصیل کی جمع ہے جس طرح رغیف کی جمع رغف آتی ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ: یہ آیت مدنی ہے۔ جس نے یہ گمان کیا کہ نماز اصل میں پہلے دو نمازوں کے طور پر فرض کی گئی یہ دن کی دونوں اطراف میں تھی۔ اس کے ساتھ اس آیت کا تعلق نہیں اس کے بارے میں روایت ضعیف ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ نماز کے فرض ہونے کی کیفیت کے بارے میں گفتگو اور علماء کا اس بارے میں جو نقطہ نظر ہے وہ سورۂ اسراء میں گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۝۴۳

''اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی (تم پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں) تا کہ وہ نکال کر لے جائے تمہیں (طرح طرح کے) اندھیروں سے نور کی طرف اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم

1۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 23	2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 68	3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 473
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 410	5۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 23

فرمانے والا ہے''۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ نازل ہوئی تو مہاجرین اور انصار نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ تو خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ اس میں ہمارے لیے تو کچھ بھی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ اس امت پر سب سے بڑی نعمت ہے اور تمام دوسری امتوں پر فضیلت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 110) اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے کے لیے صلاۃ یہ اس کی رحمت اور اس کے ہاں برکت ہے۔ ملائکہ کی صلاۃ مومنوں کے لیے دعا اور ان کے لیے استغفار ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (غافر: 7) اس کی بحث بعد میں آئے گی۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: کیا تیرا رب صلاۃ کا عمل کرتا ہے؟ تو یہ امر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی میری صلاۃ یہ ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے''۔ نحاس نے اسے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر صلاۃ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''سبوح قدوس میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے''(1)۔ اس قول کی تاویل میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی کلام میں سے کلمہ ہے یہی اس کے بندوں پر اس کی صلاۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سبوح قدوس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام میں سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو ادا کرنے سے پہلے ذکر کیا جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی صلاۃ ہیں وہ رحمتی سبقت غضبی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل سے یہ سمجھا کہ سائل نے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی صلاۃ سے ایسا معنی سمجھا ہے جو مناسب و موزوں نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے خبر دینے سے قبل تنزیہ اور تعظیم کا ذکر کیا۔

لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ گمراہی سے ہدایت کی طرف تمہیں نکالے۔ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت پر ثابت قدم کرتا ہے کیونکہ خطاب کے وقت وہ ہدایت پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ مومنوں پر رحمت فرمانے والا ہے مقصود ان سے انس کا اظہار کرتا ہے۔ فرمایا: وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۔

تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا ۝

''انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے عزت والا اجر''۔

یَلْقَوْنَهٗ کی ضمیر جس اسم کی طرف لوٹ رہی ہے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 389

محفوظ رکھے گا۔ اس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے۔ تَحِيَّتُهُمْ بعض کا بعض کے لیے سلام ہوگا۔ سلام یعنی ہماری اور تمہاری اللہ تعالیٰ کے عذاب سے سلامتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سلام ہوگا۔ معنی ہے: اللہ تعالیٰ انہیں آفات سے محفوظ رکھے گا یا مختلف قسم کے خوفوں سے امن کی بشارت دے گا۔ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ قیامت کے روز جنت میں داخل ہونے کے بعد وہ اس سے ملاقات کریں گے۔ کہا: یہ زجاج نے معنی کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استشہاد کیا۔ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ (یونس: 10) ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سے مراد ہے جس روز وہ ملک الموت سے ملیں گے۔ یہ وارد ہوا ہے کہ ملک الموت کسی مومن کی روح قبض نہیں کرتا مگر اسے سلام کہتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہا: تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ سے مراد ہے ملک الموت روح کے قبض کرنے کے وقت مومن کو سلام کرتا ہے۔ وہ مومن کی روح قبض نہیں کرتا یہاں تک کہ اسے سلام کرتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

''اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا''۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے لیے انس پیدا کیا جا رہا ہے اور ان سب کی تکریم کی جا رہی ہے۔ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ اسماء کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اور ہمارے نبی کے کثیر اسماء ہیں اور جلیل القدر علامات ہیں۔ ان کا ذکر کتاب، سنت اور متقدم کتب میں وارد ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اسماء میں سے محمد اور احمد کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ثقہ اور عادل لوگوں نے جو آپ سے روایت نقل کی ہیں ان میں ہے۔ ''میرے پانچ نام ہیں میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں اللہ میرے ساتھ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں لوگ میرے قدم پر اٹھیں گے اور میں عاقب ہوں''(1)۔

صحیح مسلم میں حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام رؤف اور رحیم رکھا(2)۔ اس میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے اپنے ناموں کا ذکر کرتے۔ آپ فرماتے: ''میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں مقفی ہوں، میں حاشر ہوں، میں نبی توبہ ہوں اور میں نبی رحمت ہوں''(3)۔ قاضی ابوالفضل عیاض نے اپنی کتاب جس کا نام ''الشفاء'' ہے اس میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ جو اسماء کتاب اللہ میں آتے ہیں، جو رسول اللہ کی سنت میں ہیں، جو کتب مقدمہ میں منقول ہوں اور امت نے جو کثیر اسماء اور مختلف صفات کا ذکر کیا ہے۔ یہ مسمیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں اور آپ کی ذات میں ان کے معانی پائے گئے ہیں۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے احکام میں اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے 67 ناموں کا ذکر کیا ہے اور وسیلة المتعبدين الى متابعة سيد المرسلين کے مصنف نے حضرت

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، ماجاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 501

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 261

3۔ ایضاً

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ایک سو اسی نام ہیں۔ جو ان کی طلب رکھتا ہے وہ ان کو وہاں پالے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت معاذ کو بلایا اور دونوں کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: ''دونوں جاؤ دونوں بشارت دینا، متنفر نہ کرنا، سہولت پیدا کرنا، سختی نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ نازل کیا ہے اور اس آیت کی تلاوت کی'' (1)۔

شَاهِدًا سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: آپ اپنی امت پر شاہد ہیں کہ آپ نے انہیں تبلیغ کی اور تمام امتوں پر گواہ ہیں کہ ان کے انبیاء نے انہیں تبلیغ کی (2)۔ اسی طرح دوسرے اقوال ہیں۔ مُبَشِّرًا اس کا معنی ہے مومنوں کو اللہ کی رحمت اور جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔ وَّنَذِيْرًا اس کا معنی ہے نافرمانوں اور جھٹلانے والوں کو آگ اور دائمی عذاب سے خبردار کرنے والے ہیں۔ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا مطلب یہ ہے توحید کی تبلیغ کرنا، اس کو اپنانا اور کفار سے جہاد کرنا ہے۔ بِاِذْنِهٖ یہاں اس کا معنی ہے اس کا تجھے حکم دینا اور اس کا اس کے وقت اور اس کے حالات میں مقدر کرنا۔ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا یہاں یہ اس نور سے مجاز ہے جسے آپ کی شرع اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَسِرَاجًا سے مراد گمراہی کی تاریکی سے ہدایت دینے والے ہیں جب کہ آپ روشن چراغ کی طرح ہیں۔ یہاں انارہ کے ساتھ صفت ذکر کی کیونکہ چراغوں میں سے کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جو روشنی نہیں دیتے جب ان کا تیل کم ہو اور اس کی بٹ باریک ہو۔ ان میں سے بعض کی کلام میں ہے: تین چیزیں کمزور کر دیتی ہیں ست قاصد، چراغ جو روشنی نہ دے اور ایسا دستر خوان جس کا آنے والا انتظار کرے، ان میں سے بعض سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جس سے وحشت محسوس کی جاتی ہے۔ فرمایا: ایسی تاریکی جو ہر طرف سے ڈھانپے ہوئے ہو اور ایسا چراغ جو روشنی نہ دے (3)۔ نحاس نے سند بیان کی۔ محمد بن ابراہیم رازی، عبدالرحمن بن صالح ازدی سے وہ عبدالرحمن بن محمد محاربی سے وہ شیبان نحوی سے وہ قتادہ سے وہ عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کرتے ہیں: جب یہ آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ نازل ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بلایا، فرمایا: ''دونوں جاؤ بشارت دینا اور سختی نہ کرنا، کیونکہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایک آیت نازل کی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا'' یعنی آگ سے ڈرانے والا۔

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ کہا: اس سے مراد لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے۔ بِاِذْنِهٖ سے مراد اس کے امر سے وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا کہا: اس سے مراد قرآن ہے۔ زجاج نے کہا: وَسِرَاجًا یعنی ایسا سراج جو نور والا ہے، یعنی روشن کتاب۔ یہ بھی جائز قرار دیا کہ یہ اس معنی میں ہو وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرنے والے ہیں۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

1۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 312 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 389 3۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 547

''اور آپ مژدہ سنا دیں مومنوں کو کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب سے بڑا ہی فضل ہے اور نہ کہنا مانو کافروں اور منافقوں کا اور پرواہ نہ کرو ان کی اذیت رسانی کی اور بھروسہ رکھو اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز''۔

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ واؤ عاطفہ ہے جملہ کا عطف جملہ پر ہے۔ معنی ماقبل سے منقطع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل کبیر کی بشارت دے۔ زجاج کے قول ذاہ اجا منیرا کے مطابق یہ کاف پر معطوف ہوگا مگر ارسلناک کے کاف پر معطوف نہیں ہوگا (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: ہمیں حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے نزدیک کتاب اللہ میں یہ سب سے امید والی آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مومنوں کو بشارت دے کہ اس کے ہاں ان کے لیے فضل کبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کبیر کی وضاحت اپنے اس ارشاد میں کی ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ۝ (الشوریٰ) اس سورت میں جو آیت ہے وہ خبر ہے اور سورت حم عسق میں جو آیات ہے وہ اس کی تفسیر ہے (2)۔

وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وہ ان کے معاملہ میں جس مداہنت کی طرف تمہیں دعوت دیتے ہیں اس معاملہ میں ان کی اطاعت نہ کیجئے اور ان کی طرف مائل نہ ہو جائیے۔ الْكٰفِرِیْنَ سے مراد ابوسفیان، عکرمہ، ابوالاعور اسلمی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کہا کریں، تو ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ سے مراد عبد اللہ بن ابی، عبد اللہ بن سعد اور طعمہ بن ابیرق ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر پر برانگیختہ کیا کہ وہ مصلحت کی غرض سے آپ کی اس پیشکش کو قبول کر لیں۔

وَ دَعْ اَذٰىهُمْ اس امر کو چھوڑ دیں کہ وہ جو آپ کو اذیتیں دیتے ہیں اس کے بدلے میں آپ بھی انہیں اذیتیں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان کو سزا دینے کا ارادہ ترک کر دیں۔ ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائیں۔ اس تاویل کی صورت میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہوگا۔ اس تاویل کی بنا پر جو امر کافروں کے ساتھ خاص ہے وہ منسوخ ہے۔ اس کا ناسخ آیت سیف ہے۔ اس میں دوسرا معنی بھی ہے: ان کی باتوں اور جو وہ آپ کو اذیتیں دیتے ہیں ان سے اعراض کیجئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں مشغول نہ ہوں۔ اس تاویل کی بنا پر مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے؛ یہ مجاہد کی تاویل ہے۔ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا اور اپنے اس ارشاد کے ساتھ انس پیدا کیا۔ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا کلام کی قوت میں مدد کا وعدہ ہے۔ وکیل سے مراد معاملہ کی حفاظت کرنے والا اور اس کو بجا لانے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝

''اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 547 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 90-389

پس تمہارے لیے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو لہٰذا انہیں کچھ مال دے دو اور انہیں رخصت کر دو خوبصورتی سے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ جب حضرت زید اور حضرت زینب کا طلاق کا واقعہ ہوا جب کہ وہ ایسی عورت تھیں جن کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے گئے تھے۔ ان کی عدت کے ختم ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت نکاح دی۔ جس طرح ہم وضاحت کر چکے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کیا جب کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو حقوق زوجیت ادا کرنے سے قبل طلاق دے دی ہو۔ اور اس حکم کو امت کے لیے واضح کیا۔ مطلقہ اگر ایسی ہو کہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے گئے ہوں تو اس پر عدت لازم نہیں ہوگی۔ یہ کتاب اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اگر اس کے ساتھ خاوند نے دخول کیا ہو تو بالاتفاق اس پر عدت ہوگی۔

مسئلہ نمبر 2۔ نکاح کا حقیقی معنی وطی کرنا ہے۔ عقد کو نکاح اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کا عقد نکاح کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے کیونکہ عقد نکاح وطی تک پہنچنے کا طریقہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ علماء نے خمر کو اثم کا نام دیا کیونکہ یہ گناہ کا سبب ہے۔ کتاب اللہ میں لفظ نکاح عقد کے معنی میں ہے، کیونکہ اس کا حقیقی معنی وطی ہے۔ اس کو مختلف الفاظ کے ساتھ کنایۃً ذکر کرنا یہ قرآن کے آداب میں سے ہے جیسے ملامسہ، مماسہ، قربان، تغشی اور اتیان۔

مسئلہ نمبر 3۔ بعض علماء نے ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ میں ثُمَّ کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ طلاق نکاح کے بعد ہی ہوتی ہے۔ جس نے نکاح سے پہلے عورت کو طلاق دی اگر اس نے اس عورت کو معین کر دیا تو یہ طلاق اسے لازم نہ ہوگی۔ یہ قول تقریباً تیس علماء کا ہے جن میں صحابہ، تابعین اور ائمہ شامل ہیں۔ امام بخاری نے بائیس افراد کا نام لیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے لا طلاق قبل نکاح نکاح سے قبل طلاق نہیں (1)۔ اس کا معنی ہے طلاق واقع نہیں ہوتی یہاں تک کہ نکاح ہو جائے۔ حبیب بن ابی ثابت نے کہا: حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا: ان تزوجتك فانت طالق اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق؟ آپ نے جواب دیا: کچھ بھی نہیں اللہ تعالیٰ نے طلاق سے پہلے نکاح کا ذکر کیا ہے۔ علماء کے ایک طائفہ نے کہا: معینہ عورت کو نکاح سے قبل طلاق دی جائے وہ ذات کے اعتبار سے معین ہو، قبیلہ کے اعتبار سے معین ہو اور شہر کے اعتبار سے معین ہو وہ طلاق لازم ہو جائے گی (2)۔ ان میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے تمام اصحاب ہیں اور امت کے عظیم علماء بھی یہی کہتے ہیں۔ سورۂ براءت میں اس بارے میں گفتگو اور فریقین کے دلائل گزر چکے ہیں۔ الحمدللہ

جب اس نے کہا: كل امرأة أتزوجها فهي طالق وكل عبد اشتريته فهو حر میں جس عورت سے شادی کروں اسے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، لا طلاق قبل النکاح، صفحہ 148۔ ایضاً، حدیث نمبر 2037، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 390

طلاق ہے اور میں جس غلام کو خریدوں وہ آزاد ہے۔ تو کچھ بھی لازم نہ کرے گا۔ اگر اس نے کہا: اگر میں بیس سال تک جس عورت سے بھی شادی کروں یا کہا: اگر میں فلاں شہر یا فلاں قبیلہ سے شادی کروں تو اسے طلاق ہے تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی جب تک اسے لمبے سالوں کی وجہ سے اپنے اوپر بدکاری کا خوف نہ ہو یا غالب طور پر اس کی عمر اس حد تک نہ پہنچتی ہو تو اسے نکاح کرنے کا حق ہوگا، اس پر طلاق لازم نہ ہوگی جب اس نے یہ بات عموم کے اعتبار سے کی کیونکہ اس نے اپنے اوپر نکاح کے معاملہ کو تنگ کر دیا ہے۔ اگر ہم اس کو روکیں کہ وہ شادی نہ کرے تو وہ حرج میں مبتلا ہوگا اور اس پر بدکاری کا خوف ہوگا۔ ہمارے بعض اصحاب نے کہا: اگر وہ کوئی لونڈی پائے تو نکاح نہ کرے یہ کوئی بات نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ضرورتیں اور عذر احکام کو اٹھا دیتے ہیں یہ ضرورت کے اعتبار سے اس آدمی کی طرح ہے جس نے قسم ہی نہیں اٹھائی؛ یہ قول ابن خویز منداد کا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ داؤد اور جوان کے ہمنواؤں نے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقہ رجعیہ سے جب اس کا خاوند رجوع کرے جب کہ اس کی عدت ختم نہ ہوئی ہو پھر اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنے سے پہلے طلاق دے دے تو اس پر عدت کو مکمل کرنا لازم نہیں اور نہ ہی اس پر نئی عدت گزارنا لازم ہے کیونکہ اسے حقوق زوجیت ادا کرنے سے قبل طلاق دے دی گئی، عطا بن ابی رباح اور ایک جماعت نے کہا: وہ پہلی طلاق کی عدت کو جاری رکھے گی امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک یہی قول ہے کیونکہ جب اس نے حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تھے تو اس کی طلاق اس طلاق کے حکم میں ہے جو ایک آدمی اپنی عورت کو عدت میں طلاق دے جس کے ساتھ اس نے رجوع نہیں کیا اور جس نے اپنی بیوی کو ہر طہر میں ایک طلاق دی وہ عورت اس عورت کو پہلی عدت پر بنا کرے گی اور نئے سرے سے عدت شمار نہیں کرے گی۔ امام مالک نے کہا: جب اس نے حقوق زوجیت ادا کرنے سے پہلے طلاق دے دی تو وہ اپنی سابقہ عدت پر بنا نہیں کرے گی۔ جس روز سے اس نے اسے طلاق دی ہے اس روز سے وہ نئی عدت شمار کرے گی۔ اس کے خاوند نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اس نے غلطی کی اگر اس نے اس سے رجوع کیا جب کہ اس کو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی؛ اکثر علماء کا یہی نقطہ نظر ہے کیونکہ یہ عورت بھی ان بیویوں کے حکم میں ہے جن کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے گئے ہوں نفقہ میں، رہائش میں اور دوسرے امور میں، اسی وجہ سے جس روز اس نے اسے طلاق دی نئے سرے سے عدت شمار کرے گی؛ یہ بصرہ، کوفہ، مکہ، مدینہ اور شام کے جمہور فقہاء کا نقطہ نظر ہے۔ ثوری نے کہا: ہمارے نزدیک فقہاء نے اس پر اجماع کیا۔

مسئلہ نمبر 5۔ اگر اسے طلاق بائنہ دی گئی مگر تین طلاقیں نہ دی گئی ہوں، تو خاوند نے اس عورت سے عدت میں نکاح کر لیا، پھر اسے حقوق زوجیت سے قبل طلاق دے دی تو اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام زفر اور عثمان بتی نے کہا: اس کو نصف مہر ملے گا اور باقی ماندہ عدت پوری کرے گی؛ یہ حضرت حسن بصری، عطا، عکرمہ اور ابن شہاب کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو حنیفہ، ابو یوسف، ثوری اور اوزاعی نے کہا: اس کے لیے نکاح ثانی کی وجہ سے کامل مہر اور نئی عدت ہوگی۔ اسے مدخول بہا کے حکم میں رکھا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے پانی کو ہی شمار کر رہی تھی۔ داؤد نے کہا: اس کو نصف مہر ملے گا۔ اس پر باقی ماندہ پہلی عدت نہ ہوگی اور نہ ہی نئی عدت ہوگی۔ اولیٰ وہ ہی ہے جو امام مالک اور امام شافعی نے کہا؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ: 228) اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ (الطلاق: 4) کے لیے مخصوص ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے اور متعہ کے باب میں بھی گفتگو گزر چکی ہے۔ دوبارہ اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا اس میں دو توجیہیں ہیں: (۱) خوشحالی اور تنگ دستی کی بنا پر متعہ دیا جائے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (1)۔ (۲) اس سے مراد اسے طلاق دینا ہے جب کہ وہ طہارت کی حالت میں ہو اور اس سے جماع بھی نہ کیا گیا ہو؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طلاق کے بعد انہیں ان کے اہل کی طرف بھیج دیا جائے مرد اور مطلقہ عورت ایک جگہ جمع نہ ہوں۔

مسئلہ نمبر 7۔ فَمَتِّعُوْهُنَّ سعید نے کہا: یہ آیت اس آیت کے ساتھ منسوخ ہے (2) جو سورۂ بقرہ میں ہے یہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِیْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ: 237) یہاں متعہ کا ذکر نہیں۔ سورۂ بقرہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وَسَرِّحُوْهُنَّ کا معنی ہے انہیں طلاق دو امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک تسریح یہ طلاق سے کنایہ ہے کیونکہ یہ غیر حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے لیے نیت کی ضرورت ہوتی ہے امام شافعی کے نزدیک یہ لفظ صریح ہے اس بارے میں گفتگو سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس وجہ سے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جَمِیْلًا یعنی سنت طریقہ پر نہ کہ بدعت کے انداز میں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ٘ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا٘ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ لِكَیْلَا یَكُوْنَ عَلَیْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۵۰

"اے نبی (مکرم!) ہم نے حلال کر دی ہے آپ کے لیے آپ کی ازواج جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ تعالیٰ نے بطور غنیمت آپ کو عطا کی ہیں، اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور مومن عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کر دے اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ (اجازت) صرف آپ کے لیے ہے دوسرے مومنوں کے لیے نہیں۔ ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 413 2۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 26

بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اس میں انیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ سدی نے ابو صالح سے وہ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں (1)۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دعوت نکاح دی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کی تو آپ نے میری معذرت کو قبول کرلیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا: اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ۔ کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہ تھی کیونکہ میں نے ہجرت نہ کی تھی میں طلقاء (جن کو چھوڑ دیا گیا) میں سے تھی۔ اسے ابو عیسیٰ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن ہے، ہم اسے اسی سند سے پہچانتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: یہ بہت ہی ضعیف ہے۔ یہ حدیث کسی ایسی صحیح سند سے مروی نہیں جس سے استدلال کیا جاسکے (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں کو اختیار دیا اور عورتوں نے آپ کو پسند کرلیا تو ان سے زائد سے شادی کرنا آپ کے لیے حرام کر دیا گیا اور ان کی جگہ کسی اور سے شادی کرنا بھی حرام کر دیا گیا یہ اصل میں ان کے اس عمل کا بدلہ تھا جو ازواج مطہرات نے کیا تھا۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ کیا یہ حلال تھا کہ اس کے بعد آپ کسی ایک کو طلاق دے دیں؟ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آپ کے لیے حلال نہیں تھا یہ اصل میں بدلہ تھا کہ جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال تھا جس طرح دوسرے لوگوں کے لیے حلال تھا لیکن اس کے بدلہ میں آپ کسی سے شادی نہیں کر سکتے تھے۔ پس اس حرمت کو منسوخ کر دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مباح کر دیا کہ جس عورت سے چاہیں شادی کرلیں۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ احلال تقاضا کرتا ہے کہ اس سے قبل حرمت بھی ہو۔ آپ کی وہ بیویاں جو آپ کی زندگی میں تھیں وہ آپ پر حرام نہیں تھیں۔ آپ پر حرام عورتوں سے نکاح کرنا تھا تو احلال ان کی طرف پھر گیا، کیونکہ آیت کے سیاق میں فرمایا: بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ یہ بات تو معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماموں زاد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ زاد کوئی بھی نہ تھی اس سے ثابت ہوا کہ ابتداءً ان کے ساتھ شادی کرنا حلال تھا۔ یہ آیت اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول کے اعتبار سے متاخر ہے، اس وجہ سے اس نے اس آیت کو منسوخ کر دیا جس کو بعد میں تلاوت کیا جاتا ہے، جس طرح سورۂ بقرہ میں وفات کے متعلق دو آیات ہیں۔

اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ کی تاویل میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر ایسی عورت سے نکاح کرنا حلال کر دیا ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہر دیں (3)؛ یہ ابن زید اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر محرمات کے علاوہ تمام عورتوں کو یہ آیت آپ کے لیے حلال کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 153۔ ایضاً، حدیث نمبر 3138، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1553

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 391

ہے: اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ سے مراد ہے جو بیویاں آپ کے پاس ہیں کیونکہ انہوں نے دنیا و آخرت پر آپ کو ترجیح دی ہے؛ یہ علماء میں سے جمہور کا نقطہ نظر ہے، یہی ظاہر قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ یہ فعل ماضی ہے اور فعل ماضی استقبال کے معنی میں چند شرطوں کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ اس تاویل کی بنا پر امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تنگ ہو جاتا ہے۔ اس تاویل کی تائید وہ قول بھی کرتا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس خاندان میں چاہتے شادی کر لیتے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر شاق گزرتا (1)، جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس وجہ سے آپ پر تمام عورتیں حرام ہو گئیں مگر جن کا نام لیا گیا تو اس وجہ سے آپ کی عورتیں خوش ہو گئیں۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اس کی صحت پر وہ قول بھی دلالت کرتا ہے جسے امام ترمذی نے عطا سے روایت کیا ہے۔ کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے نکاح کرنا آپ کے لیے حلال کر دیا (2)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لیے مطلقاً لونڈیاں حلال کر دیں۔ اور اپنے نبی کے لیے بیویاں بھی مطلقاً حلال کر دیں، باقی لوگوں کے لیے مخصوص تعداد کی صورت میں حلال کر دیا۔ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ کفار کی عورتوں میں سے جو تم پر لوٹائے۔ غنیمت کو بعض اوقات فیئ بھی کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں کو تم پر لوٹایا یعنی جو عورتیں قہر اور غلبہ کی صورت میں پکڑی گئیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وہ بیویاں جن کو آپ نے مہر دے دیا اور جو آپ کی باندیاں ہیں ان سے زائد آپ کے لیے ہم نے عورتیں آپ کے لیے حلال کر دی ہیں؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ کیونکہ اگر یہ ارادہ ہوتا کہ ہم نے آپ کے لیے وہ عورت حلال کر دی ہے جس سے آپ نے نکاح کیا اور آپ نے اسے مہر دے دیا تو اس کے بعد یہ نہ فرماتا: وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ کیونکہ یہ تو ماقبل میں داخل ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ لازم نہیں آتا ان کا خصوصاً ذکر کیا مقصد ان کی شرافت کا اظہار ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ (الرحمٰن) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ اس میں دو قول ہیں: (1) آپ کے قریبی رشتہ داروں میں سے جس طرح تیرے چچا حضرت عباس کی بیٹیاں، اس کے علاوہ عبد المطلب کی اولاد، عبد المطلب کی بیٹیوں کی اولاد کی بیٹیاں، ماموں کی بیٹیاں، جو عبد مناف بن زہرہ کی بیٹیوں کی اولاد، حلال نہیں مگر جو مسلمان ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ (3) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اس کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالَّذِیْنَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 391 2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 153۔ ایضاً، حدیث 3140، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون، جلد 1، صفحہ 6

اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا (الانفال: 72) جس نے ہجرت نہ کی وہ کامل نہ ہوا اور جو کامل نہیں ہوا وہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کامل نہیں جو کمال والا، شرف والا اور عظمت وشان والا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ مَعَكَ یہاں معیت سے مراد ہجرت میں اشتراک ہے صحبت میں اشتراک نہیں جس نے ہجرت کی وہ آپ کے لیے حلال ہوگیا۔ جب اس نے ہجرت کی اس وقت وہ آپ کی صحبت میں تھا یا نہیں تھا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دخل فلان معی و خرج معی یعنی اس کا عمل میرے عمل کی طرح ہے، اگرچہ اس میں تم دونوں کا عمل ملا ہوا نہ ہو۔ اگر تو کہے: خرجنا معا اس نے دو معنوں کا اکٹھے تقاضا کیا: فعل میں اشتراک اور اس میں اقتران۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے عم کو مفرد اور عمات کو جمع ذکر کیا، اسی طرح فرمایا: خالك، و خالاتك اس میں حکمت یہ ہے کہ عم اور خال اطلاق میں اسم جنس ہے، جس طرح شاعر اور راجز۔ جب کہ عمہ اور خالہ اس طرح نہیں یہ عرف لغوی ہے۔ کلام اشکال کو دور کرنے کے لے حد درجہ بلیغ انداز میں واقع ہوئی ہے۔ یہ دقیق ہے پس تم اس میں غور وفکر کرو! یہ ابن عربی کا قول ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 8۔ وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اس کا عطف أحللنا پر ہے۔ معنی ہے اور ہم نے آپ کے لیے اس عورت کو بھی حلال کیا ہے جو بغیر مہر کے اپنا آپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرتی ہے۔ اس معنی میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی عورت بھی نہ تھی مگر اس کے ساتھ آپ نے عقد نکاح کیا ہوا تھا یا وہ آپ کی لونڈی تھی (2)۔ جہاں تک ہبہ کا تعلق ہے تو ایسی کوئی عورت بھی آپ کے پاس نہیں تھی۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: آپ کے پاس ہبہ کرنے والی بھی عورت تھی (3)۔

میں کہتا ہوں: صحیحین میں جو روایت ہے وہ اس قول کو قوت بہم پہنچاتی ہے اور اس کی تائید کرتی ہے۔ امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں ان عورتوں پر غیرت کھاتی تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتی تھیں اور میں کہا کرتی تھی: کیا کوئی عورت حیا نہیں کرتی کہ وہ اپنا آپ بطور ہبہ کسی مرد کو پیش کرے (4) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ میں نے عرض کی: اللہ کی قسم! میں آپ کے رب کو دیکھتی ہوں کہ وہ آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا: حضرت خولہ بنت حکیم ان عورتوں سے تھیں جنہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہبہ کیا (5)۔ یہ روایت اس امر پر دال ہے کہ وہ کئی عورتیں تھیں؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

زمخشری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اپنے آپ کو ہبہ کرنے والیاں چار ہیں: حضرت میمونہ بنت حارث، حضرت زینب بنت خزیمہ ام المساکین انصاریہ، حضرت ام شریک بنت جابر، حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہن (6)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1557
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 391
3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 477
4۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، جواز ہبتہا نوبتہا الضرتہا، جلد 1، صفحہ 473
5۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، هل المرأة تهب نفسها، جلد 2، صفحہ 766
6۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 550

میں کہتا ہوں: ان میں سے بعض میں اختلاف ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ میمونہ بنت حارث ہے (1)۔ امام شعبی نے کہا: وہ زینب بنت خزیمہ ام المساکین جو انصار میں سے ایک ہے (2)۔ علی بن حسین، ضحاک اور مقاتل نے کہا: وہ ام شریک بنت جابر اسدیہ ہے۔ عروہ بن زبیر نے کہا: ام حکیم بنت اوقص سلمیہ ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 9۔ اپنا آپ ہبہ کرنے والی کے نام میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ام شریک انصاری ہے اس کا نام غزیہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام غزیلہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لیلیٰ بنت حکیم تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت میمونہ بنت حارث تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت نکاح دی ان کے پاس دعوت نکاح دینے والا آیا جب کہ آپ اونٹ پر تھیں۔ انہوں نے کہا: اونٹ اور جو اونٹ پر ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ام شریک عامریہ ہے۔ یہ ابو عکر ازدی کے عقد میں تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ طفیل بن حارث کے عقد میں تھیں ان کے بطن سے ان کا بیٹا شریک پیدا ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی یہ امر ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اسے ابو عمر بن عبد العزیز نے ذکر کیا۔ امام شافعی اور عروہ نے کہا: وہ زینب بنت خزیمہ ام المساکین ہیں (4)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ جمہور نے اِن وھبت ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی۔ یہ امر کے نئے سرے سے شروع ہونے پر دال ہے یعنی اگر یہ واقع ہو تو یہ اس کے لیے حلال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے مروی ہے دونوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی موہوبہ عورت نہ تھی۔ ہم نے اس کے خلاف پر دلیل قائم کر دی ہے۔ ائمہ نے سہل اور دوسرے واسطوں سے صحاح میں روایت نقل کی ہے کہ ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میں اس لیے حاضر ہوئی کہ میں اپنا آپ آپ کو ہبہ کروں (5)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ایک آدمی اٹھا اس نے عرض کی: اگر آپ کو حاجت نہیں تو میری اس سے شادی کر دیں۔ اگر یہ ہبہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش نہ رہتے کیونکہ آپ باطل پر قائم نہ رہتے جب اسے سنتے۔ مگر یہ احتمال موجود ہے کہ سکوت بیان کے انتظار میں ہو، تو یہ آیت تحلیل اور تخییر کے متعلق نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ترک کو اختیار کیا اور اس کی شادی ایک اور مرد سے کر دی۔

یہ بھی احتمال موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اس لیے اختیار کی ہو تاکہ اس بارے میں غور کریں یہاں تک کہ آدمی اس کی طلب میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت حسن بصری، حضرت ابی بن کعب اور امام شعبی نے ان ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ اعمش نے وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ قراءت کی۔ نحاس نے کہا: ان ہمزہ کا کسرہ معانی کو جامع ہے کیونکہ کہا گیا: وہ عورتیں ہیں۔ جب ہمزہ کو فتحہ دیا جائے تو معنی ہو گا ان میں سے ایک معین، کیونکہ فتحہ امراۃ سے بدل کے طور پر ہو گا یا یہ لأن کے معنی میں ہو گا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 415-414
2۔ ایضاً
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 392
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 415-414
5۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح۔ اذا کان الولی ھو الخاطب، جلد 2، صفحہ 770

مسئلہ نمبر 11۔ مُؤْمِنَةً یہ لفظ اس پر دال ہے کہ کافرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں امام الحرمین نے کہا: آزاد کافرہ کے آپ پر حرام ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک صحیح یہی ہے کہ وہ آپ پر حرام ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ممتاز ہیں (1)۔ جہاں تک فضائل اور کرامت کی جانب ہے تو اس میں آپ کا حصہ زیادہ ہے اور جو نقص والی جانب ہے تو آپ اس سے زیادہ پاکیزہ ہیں ہمارے لیے آزاد کتابی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جلالت شان کی بنا پر مومنات تک اپنے آپ کو محدود رکھا۔ جب آپ کے لیے وہ عورت حلال نہیں جس نے ہجرت نہیں کی کیونکہ اس میں ہجرت کی فضیلت نہیں تو یہ زیادہ مناسب ہے کہ آپ کے لیے کافرہ کتابیہ حلال نہ ہو کیونکہ اس میں کفر کا نقص موجود ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نکاح صفات مخصوصہ پر عقد معاوضہ ہے۔ سورۃ النساء اور دوسری سورتوں میں یہ بات گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ کا معنی ہے حلت وہ حلال کرے۔ حضرت حسن بصری نے پڑھا ان وھبت ہمزہ پر فتحہ ہے۔ ان محل نصب میں ہے۔ زجاج نے کہا: اصل میں یہ لان تھا۔ دوسرے علماء نے کہا: ان وھبت یہ امراۃ سے بدل اشتمال ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا جب عورت نے اپنا آپ ہبہ کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کر لیا تو وہ آپ کے لیے حلال ہو گئی اگر آپ نے اس کو قبول نہ کیا تو یہ چیز لازم نہ ہو گی، جس طرح اس نے کسی مرد کو کوئی چیز ہبہ کی تو اس کو قبول کرنا لازم نہیں ہوگا، مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق میں سے یہ ہے کہ آپ واہب کا ہبہ قبول کریں اور کریم لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس کا رد کرنا عادت میں طیب ہے۔ واہب کے لیے ہبہ اور اس کے دل کے لیے اذیت کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اسے واضح کیا، اسے قرآن بنایا جس کی تلاوت کی جاتی ہے تا کہ اس سے حرج دور ہو اور لوگوں کی عادت اور قول میں جو باطل چیزیں ہیں وہ باطل ہیں۔

مسئلہ نمبر 14۔ خَالِصَةً لَّكَ عورتوں کا اپنے آپ کو ہبہ کرنا یہ ایسی خصلت ہے جو جائز نہیں۔ یہ جائز نہیں کہ عورت اپنے آپ کو مرد کے لیے ہبہ کرے۔ خاصیت کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ عورت دخول سے قبل مہر کے فرض کرنے کا مطالبہ کرے تو یہ اس کا حق نہ ہوگا۔ جہاں تک مفوضہ کے حق میں ہمارے ہاں حقوق زوجیت ادا کرنے سے قبل مہر کے مطالبہ کا حق ہے اور حقوق زوجیت کی ادائیگی کے بعد مہر مثل کے مطالبہ کا حق ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ عورت کا اپنی ذات کو ہبہ کرنا جائز نہیں اور لفظ ہبہ سے نکاح مکمل نہیں ہوتا۔ مگر امام ابو حنیفہ (2) اور صاحبین سے یہ مروی ہے انہوں نے کہا: جب اس نے ہبہ کیا اور مرد نے اپنے آپ پر مہر کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1559

2۔ ائمہ احناف کے نزدیک عقد نکاح کے لیے دو قسم کے الفاظ ہیں الفاظ صریحہ جیسے نکاح اور تزویج۔ الفاظ کنایہ۔ جن میں ملکیت ثابت ہو جیسے بیع، شراء، ہبہ، تملیک۔ اس میں دونوں فریقوں کی جانب سے ایجاب و قبول لازم ہے اس موقع پر جو مہر ذکر کیا جائے تو وہی لازم ہوگا بصورت دیگر مہر مثل لازم ہوگا۔

گواہی دی تو یہ جائز ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ان کے قول میں نہیں مگر یہ عبارت اور لفظ ہبہ کا ذکر کرنا جائز ہے مگر افعال جس کی انہوں نے شرط لگائی ہے وہ بعینہ افعال نکاح ہیں (1)۔ یہ مسئلہ سورۃ القصص میں مفصل گزر چکا ہے۔ الحمدللہ

مسئلہ نمبر 16۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو احکام شریعت میں چند چیزوں میں خاص کیا ہے جن میں کوئی دوسرا فرد شریک نہیں۔ یہ فرض، حرمت اور حلت کے احکام ہیں یہ امت پر فضیلت کے طور پر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی اور ایسا مرتبہ ہے جو آپ کے لیے خاص ہے۔ چند چیزیں آپ پر فرض کی گئیں جو دوسروں پر فرض نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چند امور حرام کیے گئے جو دوسروں پر حرام نہیں تھے آپ کے لیے چند چیزیں حلال کی گئیں جو لوگوں کے لیے حلال نہ کی گئیں۔ ان میں سے کچھ متفق علیہ ہیں اور کچھ مختلف فیہ ہیں۔

جو چیزیں آپ پر فرض کی گئیں وہ نو ہیں: (۱) رات کے تہجد۔ یہ کہا جاتا ہے کہ رات کا قیام آپ پر فرض تھا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ (المزمل: 1) منصوص یہ ہے کہ آپ پر یہ واجب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ منسوخ ہو گیا: وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (الاسراء: 79) اس کی وضاحت آئے گی۔ (۲) چاشت کے نفل (۳) قربانی (۴) وتر۔ یہ تہجد کی قسم میں داخل ہے (۵) مسواک (۶) جو تنگ دست مر جائے اس کا قرض دینا (۷) شریعت کے علاوہ دیگر معاملات میں ذوی الارحام سے مشاورت کرنا (۸) عورتوں کو اختیار دینا (۹) جب عمل کریں تو اس پر دوام اختیار کریں اور اس کو ثابت رکھیں۔

دوسرے علماء نے کہا: آپ پر یہ بھی فرض تھا جب کوئی منکر دیکھیں تو اس کا انکار کریں اور انکار کو ظاہر کریں کیونکہ کسی کے عمل کو دیکھ کر اس سے منع نہ کرنا اس عمل کے جواز پر دال ہے۔ یہ بات صاحب البیان نے ذکر کی ہے۔

جو چیزیں آپ پر حرام ہیں ان کی تعداد دس ہے: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو زکوٰۃ لینا حرام ہے (۲) آپ کے لیے نفل صدقہ لینا حرام اور آپ کی آل کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس میں تفصیل ہے (۳) آنکھ کی خیانت۔ اس سے مراد ایسی چیز ظاہر کرنا جو پوشیدہ امر کے خلاف ہو یا جو چیز ثابت ہو اس سے دھوکہ کھانا جب کہ آپ نے اجازت لینے پر کفار کی مذمت کی پھر اس کے داخل ہونے پر ان کے لیے قول کو نرم کیا (2)۔ (۴) اللہ تعالیٰ نے ان پر اس امر کو حرام کیا جب آپ زرہ پہن لیں کہ اسے اتاریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے ساتھ جنگ کرنے والے کے درمیان فیصلہ فرما دے (۵) ٹیک لگا کر کھانا (۶) ناپسندیدہ بدبودار کھانے کھانا۔ (۷) بیویوں میں تبدیلی کرنا یعنی پہلی کو طلاق دے کر دوسری عورت سے شادی کرنا۔ اس کی بحث آئے گی۔ (۸) ایسی عورت سے نکاح کرنا جس کی صحبت کو نا پسند کرتے ہوں۔ (۹) آزاد کتابیہ عورت سے شادی کرنا (۱۰) کسی لونڈی سے نکاح کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں آپ پر حرام کیں جنہیں اور لوگوں پر حرام نہیں یا مقصود آپ کی طہارت اور پاکیزگی بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لکھنا، شعر کہنا اور اس کی تعلیم دینا حرام کر دیا مقصود آپ کی حجت کی تاکید اور معجزہ کا بیان ہے۔ اللہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 392

2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب مداراۃ من یتقی فحشہ، جلد 2، صفحہ 322

تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (العنکبوت:48) نقاش نے اسے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ نے لکھا: پہلا قول زیادہ مشہور ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر اس امر کو حرام کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نظریں ایسی چیز کی طرف اٹھائیں جن سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو متمتع کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الحجر:88)

وہ چیزیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال کی گئیں ان کی تعداد سولہ ہے: (۱) مال غنیمت میں سے چنی ہوئی چیز (۲) خمس کا خمس یا خمس (پانچواں حصہ) لینا (۳) صوم وصال (۴) چار عورتوں پر زیادہ عورتوں سے شادی کرنا (۵) ہبہ کے لفظ سے نکاح کرنا (۶) ولی کے بغیر نکاح کرنا (۷) مہر کے بغیر نکاح کرنا (۸) احرام کی حالت میں نکاح کرنا (۹) بیویوں کے درمیان باری کا ساقط ہونا، اس کی بحث بعد میں آئے گی (۱۰) جب آپ کی نظر کسی عورت پر پڑ جائے اس عورت کے خاوند پر طلاق دینا واجب ہو جاتا ہے اور آپ کے لیے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: امام الحرمین نے یہی کہا ہے اس کے متعلق حضرت زید کے قصہ میں علماء کی بحث گزر چکی ہے (1) (۱۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور اس کی آزادی ہی اس کا مہر بنا دیا (۱۲) احرام کے بغیر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا۔ ہمارے بارے میں ان حکم میں اختلاف ہے (۱۳) مکہ مکرمہ میں جنگ کرنا (۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہوگا اسے تحلیل کی قسم میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ جب کوئی آدمی مرض کی وجہ سے موت کے قریب ہوتا ہے تو اس کی اکثر ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے لیے صرف ایک تہائی باقی رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت باقی رہی جس طرح آپ کی مواریث میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ اور سورۂ مریم میں بھی اس کی وضاحت ہو چکی ہے (۱۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی زوجیت کے رشتہ کا باقی رہنا (۱۶) جب آپ کسی عورت کو طلاق دے دیں تو آپ کی حرمت اس پر باقی رہے گی وہ نکاح نہیں کر سکے گی۔ یہ تینوں اقسام اپنی اپنی جگہ پر مفصل گزر چکی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مباح ہے کہ آپ کھانا اور مشروب بھوکے اور پیاسے سے بھی لے لیں، اگرچہ وہ بھوکا پیاسا ایسا ہو جس کو اپنے ہلاک ہونے کا خوف ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ مسلمانوں میں سے ہر ایک پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرے۔ آپ کے لیے یہ مباح ہے کہ آپ اپنی جان کی حفاظت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے غنیمتوں کو حلال کرنے کے ساتھ آپ کو عزت دی۔ زمین کو آپ کے لیے مسجد اور طہور بنا دیا گیا جب کہ انبیاء میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن کی عبادت ان کی عبادت گاہ میں ہی صحیح ہوتی تھی۔ آپ کی رعب سے مدد کی گئی۔ آپ کا دشمن ایک ماہ کی مسافت سے آپ سے ڈرا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل انبیاء بعض کی طرف مبعوث ہوئے اور بعض کی طرف مبعوث نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سابقہ انبیاء کے معجزات کے برابر یا اس سے بھی زائد بنائے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا اور پتھر سے چشموں کا پھوٹنا تھا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چاند شق ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی نکلا۔ حضرت عیسیٰ علیہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1563

السلام کا معجزہ مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو درست کرنا تھا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور تنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشتاق ہوا، یہ بلیغ ترین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء پر پوری فضیلت عطا کی کہ قرآن آپ کے لیے معجزہ ہو گیا اور آپ کا معجزہ قیامت تک باقی رہنے والا بنا دیا، اسی وجہ سے آپ کی نبوت ابدی بنا دی گئی جو قیامت تک منسوخ نہ ہو گی۔

مسئلہ نمبر 17۔ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا کہ آپ سے نکاح کریں۔ یہ کہا جاتا ہے: نکح، استنکح دونوں کا معنی ایک ہے جس طرح عجب اور استعجب، عجل اور استعجل کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استنکاح سے مراد نکاح کو طلب کرنا ہو یا وطی کو طلب کرنا ہو۔ خالصۃ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یہ زجاج کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس ضمیر متصل سے حال ہے جو فعل مضمر کے ساتھ متصل ہے جس پر ظاہر فعل دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: احللنا لك ازواجك و أحللنا لك امراءة مؤمنة أحللناها خالصة بلفظ الهبة وبغير صداق و بغير ولی۔

مسئلہ نمبر 18۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اس کا فائدہ یہ ہے کہ کفار اگرچہ ہمارے نزدیک شریعت کے فرعی مسائل کے مخاطب ہیں مگر ان میں کوئی عمل دخل نہیں، کیونکہ احکام کا نفاذ ان میں اس وقت ہو گا جب وہ اسلام لائیں گے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ یعنی جو ہم نے مومنوں پر واجب کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شادی نہ کریں گے مگر صرف چار عورتوں سے وہ بھی مہر، گواہ اور ولی کی موجودگی میں۔ اس کا یہ معنی حضرت ابی بن کعب، قتادہ اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ آپ کسی ایسے امر میں تنگی میں نہ پڑیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کشادگی کے محتاج ہوں، یعنی ہم نے اس کو بیان کر دیا اور اس کی وضاحت کر دی ہے تاکہ آپ پر کوئی حرج نہ ہو۔ لکیلا یہ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ کے متعلق ہے، یعنی آپ کا دل تنگ نہ پڑے یہاں تک کہ آپ سے ایسا امر ظاہر ہو کہ آپ نے اپنے رب کے ہاں کسی معاملہ میں گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کے ساتھ غفران اور رحمت کے اظہار کے ساتھ اس کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَ لَا يَحْزَنَّ وَ يَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۞

"(آپ کو اختیار ہے) دور کر دیں جس کو چاہیں اپنی ازواج سے اور اپنے پاس رکھیں جس کو آپ چاہیں اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جن کو آپ نے علیحدہ کر دیا تھا تب بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں، اس (رخصت) سے پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور سب کی سب خوش رہیں گی جو کچھ آپ انہیں عطا فرمائیں گے اور (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے بڑا بردبار ہے"۔

اس میں گیارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1 ۔ تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ ترجی کو مہموز اور غیر مہموز دونوں طرح پڑھا گیا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے أرجیت الامر، ارجأتہ۔ جب تو اسے موخر کردے۔ وَ تُــٔـوِیْٓ آپ ملائیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: آوی الیہ الف پر مد ہے اس کا معنی اپنے ساتھ ملانا ہے۔ آوی الف مقصورہ کے ساتھ۔ اس کے ساتھ ملنا ہے۔

مسئلہ نمبر 2 ۔ اس آیت کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس بارے میں جو اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر باری ترک کرنے کی سہولت ہے۔ آپ ﷺ پر بیویوں میں باری واجب نہیں۔ یہ قول اس کے مناسب ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ یہی وہ معنی ہے جو صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ کہا: میں ان عورتوں پر غیرت کرتی تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ہبہ کیا کرتی تھیں (1)۔ میں کہتی: کیا ایک عورت اپنے نفس کو مرد کے لیے ہبہ کرتی ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُــٔـوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ تو حضرت عائشہ نے کہا: میں کہتی ہوں: اللہ کی قسم! میں آپ کے رب کو نہیں دیکھتی مگر وہ آپ ﷺ کی خواہش کو پورا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ ہی صحیح میں ثابت ہے اسی پر اعتماد کرنا چاہیے معنی مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی بیویوں میں اختیار دیا گیا چاہیں تو باری مقرر کریں اور چاہیں تو باری کو ترک کر دیں (2)۔ نبی کریم ﷺ کو اس امر میں خاص کیا گیا کہ اس معاملہ میں امر آپ کے سپرد کر دیا گیا، مگر آپ ﷺ اپنی جانب سے باری مقرر کرتے یہ آپ ﷺ پر فرض نہ تھا، یہ ازواج مطہرات کے دلوں کو پاکیزہ بنانے کے لیے اور انہیں غیرت کے لیے ان اقوال سے بچانے کے لیے ہوتا تھا جو انہیں ایسے امر تک پہنچا دیتے جو مناسب نہیں ہوتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ باری مقرر کرنا نبی کریم ﷺ پر بھی واجب تھا پھر اس آیت کے ساتھ آپ سے وجوب ساقط ہو گیا۔ ابو رزین نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے عرض کی: ہمارے لیے جو چاہیں باری مقرر کر دیں۔ جن کو حضور ﷺ نے ملایا وہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہن تھیں۔ ان کی آپ کی جانب سے باری اور مال سب میں برابری تھی۔ جن کو آپ نے مؤخر کیا وہ حضرت سودہ، حضرت جویریہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت میمونہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ آپ ان کے لیے جو چاہتے باری مقرر کر دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہبہ کرنے والیاں ہیں۔

ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ کے بارے میں یہ قول نقل کرتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ ان عورتوں کے بارے میں ہے جنہوں نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ امام شعبی نے کہا: اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ہبہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے بعض سے نکاح کر لیا اور بعض کو ترک کر دیا۔ زہری نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا، جلد 1، صفحہ 473 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1568

اپنی ازواج میں سے کسی کو بھی مؤخر کیا ہو بلکہ سب کو اپنے ساتھ ملایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہیں طلاق دے دیں اور جس کو چاہیں روکے رکھیں۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے۔ ہر ایک کی توجیہ موجود ہے۔ یہ آیت ایسی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سہولت اور اباحت کی گنجائش رکھی گئی ہے ہم نے جو معنی اور مفہوم اپنایا ہے وہ زیادہ صحیح ہے؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہبۃ اللہ، الناسخ والمنسوخ میں اس طرف گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ کے لیے ناسخ ہے، کہا: کتاب اللہ میں کوئی ناسخ اس کے سوا منسوخ سے پہلے نہیں (1)۔ اس کی کلام کئی اعتبار سے کمزور ہے۔ سورۂ بقرہ میں متوفی عنہا کی عدت چار ماہ دس دن ہے یہ سال کو منسوخ کرنے والی ہے یہ بھی منسوخ سے پہلے ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ، ابْتَغَيْتَ تو نے طلب کیا۔ الابتغاء کا معنی طلب کرنا ہے۔ عَزَلْتَ تو نے اس کو زائل کر دیا۔ العزلہ کا معنی ازالہ کرنا، الگ کرنا ہے، یعنی اگر آپ نے ارادہ کیا کہ آپ اپنے ساتھ اس عورت کو ملائیں جوان عورتوں میں سے ہے جن کو آپ نے باری سے الگ کر دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ساتھ جمع کرنا چاہتے ہیں تو اس بارے میں آپ پر کوئی حرج نہیں اسی طرح ارجاء کا حکم ہے۔ دونوں طرفوں میں سے ایک دوسرے پر دلالت کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ کوئی جھکاؤ نہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جنحت السفينة۔ یعنی کشتی زمین کی طرف جھک گئی، یعنی آپ پر ملامت اور توبیخ کا کوئی جھکاؤ نہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: یہ اختیار جو ہم نے آپ کو ان کی صحبت کے بارے میں دیا ہے یہ ان کو راضی کرنے کا زیادہ باعث ہے کیونکہ یہ ہماری جانب سے ہے کیونکہ جب وہ جانیں گی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ احسان ہے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور وہ راضی ہوں گی کیونکہ انسان جب یہ جانے کہ اس کا کسی شے میں کوئی حق نہیں تو اسے جو بھی دیا جائے اس پر راضی ہو جاتا ہے اگرچہ وہ چیز تھوڑی ہی ہو۔ اگر اسے علم ہو کہ یہ اس کا حق ہے تو اسے جو کچھ عطا کیا جائے اس پر قانع نہیں ہوتا۔ اس کی غیرت شدید ہو جاتی ہے اور اس بارے میں اس کا حرص زیادہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آپ کی بیویوں کا معاملہ سپرد کیا یہ ان کی زیادہ رضا کا باعث تھا اور زیادہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث تھا جو بھی آپ ان کے لیے کرم نوازی کریں چہ جائیکہ ان کا دل ان سے زیادہ کے ساتھ چمٹا رہے۔

اسے تقر اعینهن تاء کے ضمہ اور اعین کے نصب کے ساتھ بھی قراءت کی گئی ہے۔

اسے مجہول کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں برابری کرنے کے لیے اپنے آپ پر سختی کیا کرتے تھے۔ مقصود ان کے دلوں کو پاکیزہ بنانا تھا، جس طرح ہم نے اسے پہلے ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے: ''اے اللہ! یہ میری قدرت ہے جس کا میں مالک ہوں۔ اور مجھے اس کے بارے میں ملامت نہ کر جس کا تو مالک ہے اور میں مالک

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 393

نہیں'' (1)۔ مراد دل ہے کیونکہ حضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ترجیح دیتے مگر اپنے افعال میں سے کسی فعل میں اس کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ حضور ﷺ اپنی اس بیماری میں بھی ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں قیام کی اجازت مانگی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو ابتداء میں حضرت میمونہ کے ہاں تکلیف ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنی ازواج سے اجازت مانگی کہ آپ بیماری کے دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزاریں تو انہوں نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی۔ صحیح نے اسے نقل کیا ہے (2)۔

صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے: رسول اللہ ﷺ تلاش میں رہتے فرماتے: ''آج میں کہاں ہوگا؟ کل میں کہاں ہوگا؟'' (3)۔ گویا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دن آنے کو بعید سمجھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب میرا دن تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح کو میرے پہلو اور میرے سینے کے درمیان قبض کرلیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ مرد پر لازم ہے کہ اپنی عورتوں میں ایک دن اور ایک رات کے اعتبار سے مساوات کرے؛ یہ عام علماء کا قول ہے۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ رات کے اعتبار سے واجب ہے دن کے اعتبار سے واجب نہیں عورت کا مرض اور اس کا حیض اس کے حق کو ساقط نہیں کرے گا۔ اس کے دن اور اس کی رات میں اس کے پاس ٹھہرنا لازم ہے مرد پر یہ بھی لازم ہے کہ جس طرح وہ اپنی صحت میں برابری کیا کرتا تھا وہ اپنی حالت مرض میں بھی برابری کرے ہاں جب وہ حرکت سے عاجز آجائے تو وہ وہاں ہی مقیم ہو جائے جہاں اس پر مرض غالب آئی تھی۔ جب صحت مند ہو تو نئے سرے سے باری کا سلسلہ شروع کرے۔ لونڈی بیوی، آزاد بیوی، کتابی بیوی اور مسلمان بیوی اس حق میں برابر ہیں۔ عبدالملک نے کہا: آزاد بیوی کے لیے دو راتیں اور لونڈی بیوی کے لیے ایک رات ہوگی، جہاں تک اپنی لونڈیوں کا تعلق ہے ان میں اور آزاد بیویوں میں کوئی باری نہیں اور اپنی لونڈیوں کا اس میں کوئی حق نہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ ان سب کو ایک مکان میں جمع نہ کرے مگر ان کی رضامندی کے ساتھ اور ضرورت کے بغیر ایک کی باری میں اس کے دن اور رات میں کسی اور کے ہاں داخل نہ ہو۔ حاجت اور ضرورت کی بنا پر بھی اس کے ہاں جانے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اکثر جواز کے قائل ہیں۔ امام مالک اور دوسرے علماء کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ابن حبیب کی کتاب میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ ابن بکیر، مالک سے وہ یحییٰ بن سعید سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل کی دو بیویاں تھیں جب ان میں سے ایک کی باری ہوتی تو دوسری بیوی کے گھر سے آپ پانی بھی نہ پیتے تھے۔ ابن بکیر نے کہا: امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کی دو بیویاں تھیں جو طاعون کی مرض میں مبتلا ہو کر مرگئی تھیں تو آپ نے دونوں میں قرعہ اندازی کی کہ جس کے نام قرعہ نکلے گا اسے پہلے دفن کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 9۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: دونوں میں نفقہ اور کسوہ کے اعتبار سے مساوات کرے جب کہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب النکاح، ماجاء فی تسویۃ بین، جلد 1، صفحہ 136۔ ایضاً، حدیث نمبر 1059۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1822، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، الغسل والوضوء فی المخضب، جلد 1، صفحہ 32　3۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فی فضل عائشہ رضی اللہ عنہا، جلد 2، صفحہ 286

وہ سب ایک حال کی ہوں جب ان کی حیثیتیں مختلف ہوں تو یہ چیز لازم نہ ہوگی۔ امام مالک نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ لباس میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دے مگر میلان کے طریقہ پر نہ ہو۔ جہاں تک محبت اور بغض کا تعلق ہے تو یہ انسان کے اختیار سے خارج ہیں ان میں عدل واقع نہ ہو سکے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باری معین کرنے کے بارے میں ارشاد کا یہی معنی ہے: ''اے اللہ! جس کا میں مالک ہوں اس میں یہ میرا عمل ہے اور جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں اس میں مجھے ملامت نہ کر'' (1)۔

امام نسائی اور ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔ ابو داؤد کی کتاب میں ہے یعنی دل۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اشارہ کیا ہے: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (النساء: 129) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ یہاں اس کے خصوصی ذکر کرنے کی یہی وجہ ہے۔ اس کی جانب سے ہمیں تنبیہ ہے کہ وہ ذات جانتی ہے کہ ہمارے دلوں میں ہماری عورتوں میں سے بعض کے لیے بعض کی بنسبت جو میلان ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ (آل عمران: 5) يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ (طٰہٰ) لیکن اس بارے میں اس نے درگزر سے کام لیا، کیونکہ بندہ طاقت نہیں رکھتا کہ بندہ اس میلان سے اپنے دل کو پھیر سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان متوجہ کرتا ہے: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

اس ارشاد میں یہ بھی ہے ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ یہی دسواں مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ یہ اس کے زیادہ مناسب ہے کہ وہ غمگین نہ ہوں جب وہ ان میں سے کسی کو دوسرے کے ساتھ جمع نہ کرے اور وہ ترجیح اور میلان کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھے۔ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ''جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے روز آئے گا جب کہ اس کی ایک جانب جھکی ہوگی'' (2)۔

وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ، كُلُّهُنَّ یہ ضمیر کی تاکید ہے یعنی یرضین کلھن۔ ابو حاتم اور زجاج نے اسے اس مضمر کی تاکید بنانا بھی جائز قرار دیا ہے جو اٰتَيْتَهُنَّ میں ہے۔ فراء اس کو جائز قرار نہیں دیتا کیونکہ معنی اس کی تائید نہیں کرتا کیونکہ معنی ہے ان میں سے ہر ایک راضی ہو۔ اس کا معنی یہ نہیں جو تم نے سب کو عطا کیا ہے۔ نحاس نے کہا: جو کچھ انہوں نے کہا وہ حسن ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ یہ عام خبر ہے اور اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایک شخص کی محبت ہے دوسرے کی نہیں، اسی طرح اس معنی میں مومن بھی داخل ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جیش ذات سلاسل کا امیر بنا کر بھیجا میں نے عرض کی: لوگوں میں سے کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: ''حضرت عائشہ صدیقہ'' (3)۔ میں نے عرض کی: مردوں میں؟ فرمایا:

1۔ سنن ابی داود، کتاب النکاح، القسم بین النساء، جلد 1، صفحہ 290۔ ایضاً حدیث نمبر 1822
2۔ ایضاً
3۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، قول النبی لو کنت متخذا خلیلاً، جلد 1، صفحہ 517

''ان کا باپ''۔ میں نے عرض کی: پھر کون؟ فرمایا: ''عمر بن خطاب''۔ تو آپ نے چند مردوں کا ذکر کیا۔ سورۂ بقرہ اور اس سورت کے آغاز میں دل کے متعلق اس پر بحث گزر چکی ہے جو اس مسئلہ میں کفایت کر جاتی ہے۔

یہ روایت کی جاتی ہے کہ لقمان حکیم ایک بڑھئی تھے (1) ان کے آقا نے انہیں کہا: ایک بکری ذبح کرو اور ان میں سے جو سب سے پاکیزہ ٹکڑے ہیں وہ لے آؤ تو وہ ان کے پاس زبان اور دل لے آئے۔ پھر آقا نے ایک اور بکری ذبح کرنے کا حکم دیا تو کہا: اس میں سے اس کے دو خبیث ترین جز پھینک دو تو اس نے زبان اور دل کو پھینک دیا۔ آقا نے کہا: میں نے تجھے حکم دیا کہ تو میرے پاس اس میں سے دو پاکیزہ ٹکڑے لے آ تو تو زبان اور دل لے آیا اور میں نے تجھے حکم دیا کہ تو ان میں سے دو ناپسندیدہ چیزیں پھینک دے۔ تو نے دل اور زبان کو پھینکا، لقمان حکیم نے کہا: جب پاکیزہ ہوں تو ان دونوں سے زیادہ کوئی پاکیزہ نہیں اور جب یہ دونوں خبیث ہوں تو ان دونوں سے بڑھ کر کوئی اور خبیث نہیں۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَ لَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

''حلال نہیں آپ کے لیے دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کر لیں ان ازواج سے دوسری بیویاں اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن، بجز کنیزوں کے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء کا اس ارشاد لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ کی تاویل میں سات اقوال ہیں:

(۱) یہ آیت سنت سے منسوخ ہے اس کی ناسخ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے عورتوں کو حلال کر دیا (2)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ ایک اور آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ امام طحاوی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا کہ آپ عورتوں میں سے جس سے چاہیں شادی کر لیں مگر محرم کے ساتھ شادی نہیں کر سکتے (3)۔ وہ آیت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ، نحاس نے کہا: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اولیٰ ہے۔ نسخ کے بارے میں یہ اور حضرت عائشہ کا قول ایک ہی چیز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ ارادہ کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے نکاح کرنا حلال قرار دیا ہو، ساتھ ہی ساتھ یہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عباس، حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہم اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ کوفہ کے بعض فقہاء نے اس سے معارضہ کیا ہے اور کہا: یہ محال ہے کہ یہ آیت تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ کو منسوخ کرے کیونکہ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مصحف میں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 332

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 153

3۔ شرح مشکل الآثار، باب ماروی عن عائشہ وسلمۃ، جلد 1، صفحہ 453

پہلے ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اور اس کے قول کو ترجیح دی جس نے یہ کہا کہ یہ آیت سنت سے منسوخ ہے۔ نحاس نے کہا: یہ معارضہ لازم نہیں آتا اور اس کا قائل غلط ہے، کیونکہ قرآن ایک سورت کے قائم مقام ہے، جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: پورے کا پورا قرآن آسمان دنیا کی طرف رمضان شریف کے مہینے میں نازل ہوا۔ تیرے لیے یہ واضح ہے کہ اس معترض کا اعتراض لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ (البقرہ:240) اہل تاویل کے مطابق منسوخ ہے۔ ہم علماء میں باہم اختلاف سے آگاہ نہیں اس کی ناسخ وہ آیت ہے جو اس سے قبل ہے: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرہ:234)

مسئلہ نمبر 3۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ممنوع کر دیا گیا کہ آپ ان بیویوں کی موجودگی میں کسی اور عورت سے شادی کریں، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کو اپنایا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، حضرت ابن سیرین، ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: ممکن ہے یہ قول اسی طرح ہو پھر منسوخ کر دیا گیا ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب ازواج مطہرات پر حرام کر دیا گیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے شادی کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حرام کر دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علاوہ کسی سے شادی کریں؛ یہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف کا نقطہ نظر ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وہ اصناف جن کا ذکر کر دیا گیا ہے ان کے بعد؛ یہ حضرت ابی بن کعب، عکرمہ اور ابو رزین کا نقطہ نظر ہے(1)؛ یہی محمد بن جریر کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ جس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اباحت مطلق تھی اس نے کہا: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ سے مراد ہے آپ کے لیے یہودی اور نصرانی عورتوں سے شادی کرنا حلال نہیں (2)۔ یہ ایسی تاویل ہے جس میں بعد ہے۔ مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ چھٹا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: تاکہ کافرہ مومنوں کی ماں نہ ہو۔ یہ قول بعید ہے کیونکہ اس صورت میں اس کلام کو مقدر ماننا پڑتا ہے۔ من بعد المسلمات یہاں تو مسلمات کا ذکر نہیں، اسی طرح اس نے مقدر کیا: وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ یعنی نہ یہ کہ آپ مسلمان عورت کو طلاق دیں اور اس کے بدلے میں کتابی عورت سے شادی کریں۔

مسئلہ نمبر 6۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حلال تھا کہ جس سے چاہیں اس سے شادی کریں۔ پھر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ کہا: اسی طرح آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام تھے: یہ محمد بن کعب قرظی کا نقطہ نظر ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ ابن زید نے کہا: یہ ایسا عمل تھا جو عرب کہا کرتے تھے عربوں میں سے کوئی کہتا: میری بیوی لے لو اور اپنی بیوی مجھے دے دو۔ دار قطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے(3): دور جاہلیت میں بدل یوں ہوتا کہ ایک آدمی دوسرے کو کہتا: انزل لی عن أمراتك وأنزل لك عن أمراتی اور میں کچھ زائد بھی تجھے دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کو نازل فرمایا: وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ کہا: عیینہ بن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 394 2۔ ایضاً 3۔ سنن دار قطنی، جلد 3، صفحہ 218

حصن فزاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ ﷺ کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں وہ بغیر اجازت کے اندر داخل ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عیینہ! اجازت کہاں گئی؟'' (تو نے اجازت نہیں لی) اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب سے میں بالغ ہوا ہوں میں نے بنو مضر کے کسی فرد سے اجازت نہیں مانگی۔ اس نے عرض کی: یہ آپ کے پہلو میں حمیراء کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ عائشہ ام المومنین ہے''۔ اس نے کہا: افلا أنزل لك عن احسن الخلق کیا میں آپ کو مخلوق میں سے خوبصورت ترین پیش نہ کروں؟ فرمایا: اے عیینہ! اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا ہے''۔ جب وہ باہر چلا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کون ہے؟ فرمایا: ''احمق جس کی اطاعت کی جاتی ہے جس طرح تو دیکھ رہی ہے کہ یہ اپنی قوم کا سردار ہے''۔

طبری، نحاس اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے جس کی ابن زید نے عربوں سے حکایت بیان کی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو باہم بدلا کرتے تھے۔ طبری نے کہا: عربوں نے کبھی بھی ایسا عمل نہیں کیا(1)۔ عیینہ بن حصن کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ ﷺ کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں یہ تبدیلی نہیں تھی اور نہ ہی اس نے اس کا ارادہ کیا تھا اس نے حضرت عائشہ صدیقہ کو حقیر جانا کیونکہ آپ بچی تھیں تو اس نے یہ بات کی۔

میں کہتا ہوں: میں نے جو زید بن اسلم کی حدیث ذکر کی ہے کہ وہ عطاء بن یسار سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ دور جاہلیت میں بدل اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے جس کا انکار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مبرد نے کہا: لایحل کو یاء اور تاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جس نے تاء کے ساتھ قراءت کی ہے تو وہ عورتوں کی جماعت کے معنی میں ہے، جس نے یاء کے ساتھ قراءت کی تو تمام عورتوں کے معنی میں ہے۔ فراء نے گمان کیا کہا: قراء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ قراءت یا کے ساتھ ہے، یہ غلط ہے۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے: قراء کا اتفاق ہے جب کہ ابو عمرو نے تاء کے ساتھ قراءت کی ہے ان سے اس بارے میں کوئی اختلاف مروی نہیں۔

(۳) وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے سبب سے آیت نازل ہوئی (2)۔ جب حضرت جعفر بن ابی طالب کی شہادت پر ان کے حسن نے رسول اللہ ﷺ کو متعجب کیا، تو حضور ﷺ نے اس سے شادی کا ارادہ کیا۔ یہ حدیث ضعیف ہے؛ یہ قول ابن عربی نے کیا ہے۔

(۴) اس آیت میں دلیل ہے کہ مرد جس عورت سے شادی کا ارادہ کرے وہ اسے دیکھ سکتا ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ایک عورت سے شادی کا ارادہ کیا نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: ''اسے دیکھ لے کیونکہ یہ تم دونوں کے درمیان محبت کے دوام کا باعث ہوگا'' (3)۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسے دیکھ لے کیونکہ انصار کی آنکھ میں کچھ نقص ہوتا ہے'' (4)۔ صحیح نے اسے نقل کیا ہے۔ حمیدی اور ابو فرج جوزی نے کہا: یعنی پیلی یا نیلی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی آنکھ میں میل

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 394 2۔ ایضاً

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، النظر الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوجہا، صفحہ 135 4۔ صحیح مسلم، باب ندب النظر الی وجہ المرأۃ، جلد 1، صفحہ 456

(کیچڑ) ہوتی ہے۔

(۵) جس عورت کو دعوت نکاح دی جائے اس کو دیکھنے کا حکم مصلحت کے لیے ارشاد کے طریقہ پر ہے جب مرد اسے دیکھے گا تو ممکن ہے اس میں ایسی چیز دیکھے جو اس کے نکاح میں رغبت دلائے۔ جو امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امر ارشاد کے طریقہ پر ہے وہ وہ روایت ہے جسے ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ''تم میں جب کوئی کسی عورت کو دعوت نکاح دے اگر اس کے لیے ممکن ہو کہ عورت کی ایسی خصلت دیکھے جو اسے اس کے ساتھ نکاح پر راغب کرے تو وہ ایسا کرے'' (1)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: فان استطاع فیفعل اس قسم کا قول واجب کے بارے میں نہیں کیا جاتا۔

یہی بات جمہور فقہاء، امام مالک، امام شافعی، کوفہ کے فقہاء، دوسرے فقہاء اور اہل الظاہر نے کی ہے۔ ایک قوم نے اسے ناپسند کیا ہے۔ ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ سہل بن حثمہ نے کہا: میں نے محمد بن مسلمہ کو دیکھا جو ثبیتہ بنت ضحاک کو مدینہ طیبہ کی بلند جگہوں سے ایک جگہ سے تاڑ رہے تھے (2) میں نے انہیں کہا: کیا آپ اس طرح کرتے ہیں، انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں کسی عورت کو دعوت نکاح کا خیال ڈالے تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اسے دیکھے'' (3)۔ اجار کا معنی چھت یا بلند جگہ ہے، یہ اہل شام اور اہل حجاز کی لغت ہے۔ ابوعبید نے کہا: اجار کی جمع اجاجیر اور اجاجرہ ہے۔

(۶) کس حصہ کو دیکھے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: اس کے چہرہ اور اس کی ہتھیلیوں کو دیکھے، اس کی اجازت کے بغیر اسے نہ دیکھے۔ امام شافعی اور امام احمد نے کہا: اس کی اجازت اور بغیر اجازت کے دیکھے جب وہ پردہ میں ہو۔ اوزاعی نے کہا: وہ اسے دیکھے، وہ کوشش کرے اور اس کے گوشت والی جگہوں کو دیکھے۔ داؤد نے کہا: اس کے تمام جسم کو دیکھے۔ وہ لفظ کے ظاہر سے تمسک کرتے ہیں۔ شریعت کے اصول اس پر اس امر کو رد کرتے ہیں کیونکہ پردہ کی جگہوں پر آگاہی حاصل کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۷) اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ علماء نے اس معاملہ میں اختلاف کیا ہے کہ کیا کافرہ لونڈی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال ہے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) وہ حلال ہے کیونکہ یہ ارشاد: اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ عام ہے: یہ مجاہد، سعید بن جبیر، عطا اور حکم کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ اس سے مراد ہے غیر مسلم عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں، جہاں تک یہودی، نصرانی اور مشرک عورتوں کا تعلق ہے وہ آپ پر حرام ہیں یعنی آپ کے لیے حلال نہیں کہ آپ کافرہ سے شادی کریں تو وہ مومنوں کی ماں بن جائے، اگرچہ اس کا حسن آپ کو خوش کرے مگر جو آپ کی مملوکہ ہو کیونکہ ایسی عورت کے ساتھ خواہش کرنا جائز ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، فی الرجل ینظر الی المرأۃ، جلد 1، صفحہ 284
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 394
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، النظر الی المرأۃ اذا، صفحہ 135

(۲) یہ حلال نہیں تا کہ آپ کی اس امر میں پاکیزگی بیان کی جائے کہ آپ کافرہ کے ساتھ مباشرت کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنہ:10) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ کیسے جائز ہوگا: اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ میں ما محل رفع میں ہے یہ النساء سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استثناء کے طریقہ پر محل نصب میں ہو، اس میں ضعف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر یہ ہو تقدیر کلام یہ ہوگی إلا ملك يمينك ملک یہ ملوک کے معنی میں ہے۔ یہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ اس چیز سے استثناء ہے جو ماقبل کی جنس سے نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ٞ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝۵۳

''اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے۔ اور نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لیے باتیں شروع کر دیا کرو تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی کا شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پس پردہ ہو کر، یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لیے نیز ان کے دلوں کے لیے، اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی، بے شک ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہے''۔

اس میں سولہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ، ان محل نصب میں ہے۔ یہ اس معنی میں ہے اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ یعنی جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یہ استثناء اول یعنی بیوت النبی سے نہیں (بلکہ لَا تَدْخُلُوْا کی ضمیر سے ہے)۔ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ غیر یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی تم اس حال میں داخل نہ ہو۔ غیر میں جر طعام کی صفت ہونے کے اعتبار سے درست نہیں کیونکہ اگر یہ نعت ہوتی تو فاعل کا ظاہر کرنا ضروری تھا تو ارشاد ہوتا: غیر ناظرین اناہ انتم اسی کی مثل علم نحو میں ہے هذا رجل مع رجل ملازم له اگر تو چاہے تو کہے: هذا رجل مع رجل ملازم له هو۔

یہ آیت دو قصوں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے: (۱) کھانے اور بیٹھنے کے آداب (۲) حجاب کا حکم۔ حماد بن زید نے کہا: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ کو پریشان کیا تھا۔ پہلا قصہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہے، اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب بنت جحش جو حضرت زید کی مطلقہ تھیں سے شادی کی تو اس پر دعوت ولیمہ کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا، جب وہ کھانا کھا چکے تو ان میں سے کچھ لوگ مختلف حلقے بنا کر بیٹھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں باتیں کرنے لگے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اپنا منہ دیوار کی طرف کیے ہوئے تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کر دیا۔ حضرت انس نے کہا: میں نہیں جانتا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ لوگ جا چکے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی۔ کہا: آپ چلے یہاں تک کہ گھر میں داخل ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ داخل ہونے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور حجاب کا حکم نازل ہوا(1)۔ کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نصیحت کی جن امور کے ساتھ نصیحت کی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ۫ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ۝ اسے صحیح نے نقل کیا ہے۔ قتادہ اور مقاتل نے کتاب الثعلبی میں کہا: یہ واقعہ حضرت ام سلمہ کے گھر میں واقع ہوا(2) جب کہ پہلا قول صحیح ہے جس طرح صحیح نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت مومنوں میں سے چند افراد کے بارے میں نازل ہوئی(3)، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے وقت کا انتظار کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا شروع کرنے سے قبل گھر میں داخل ہو جاتے وہ بیٹھ جاتے یہاں تک کہ آپ کھانا پاتے، پھر کھاتے اور گھر سے نہیں نکلتے تھے۔ اسماعیل بن حکیم نے کہا: یہ ادب ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سکھایا جو پریشانی کا باعث بنا کرتے(4)۔ ابن ابی عائشہ نے کتاب الثعلبی میں کہا: ثقلاء (پریشانی کا باعث بننے والے) کے لیے یہی کافی ہے کہ شرع نے انہیں برداشت نہیں کیا(5)۔

جہاں تک حجاب کے قصہ کا تعلق ہے تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے کہا: اس کا سبب زینب کا ابھی گزرنے والا واقعہ ہے(6)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ایک جماعت نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ازواج مطہرات کے ہاں نیک اور برے لوگ آتے ہیں۔ کاش! آپ انہیں حجاب کا حکم دیتے، تو یہ آیت نازل ہوئی(7)۔

صحیح نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے اپنے رب سے تین امور میں موافقت کی ہے(8)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، زوج زینب بنت جحش، جلد 1، صفحہ 461
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 395
3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً
7۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 48
8۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، ما جاء فی القبلۃ، جلد 1، صفحہ 58

مقام ابراہیم، حجاب اور بدر کے قیدیوں میں۔ حجاب کے بارے میں جو بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے یہ صحیح ترین ہے۔ ان دو اقوال کے علاوہ جتنے بھی اقوال ہیں سب کے سب کمزور ہیں، کوئی بھی اصل پر قائم نہیں۔ ان میں سے کمزور ترین وہ روایت ہے جو حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو حجاب کا حکم دیا، تو حضرت زینب بنت جحش نے کہا: اے ابن خطاب! تم ہمارے بارے میں غیرت کھاتے ہو جب کہ ہمارے گھروں میں وحی نازل ہوتی ہے (1)، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ یہ روایت باطل ہے کیونکہ حجاب کا حکم اس روز نازل ہوا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو حرم میں داخل کیا۔ جس طرح ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور دوسرے علماء نے اسے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند صحابہ بھی کھانا کھا رہے تھے۔ ان صحابہ میں سے ایک کا ہاتھ حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاتھ کو جا لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند کیا تو یہ آیت حجاب نازل ہوئی (2)۔

ابن عطیہ نے کہا: قوم کا معمول یہ تھا جب ان کے لیے دعوت ولیمہ یا اس طرح کی کوئی دعوت ہوتی جو چاہتا جلدی پہنچ جاتا وہ کھانا پکنے کا انتظار کرتا (3)، اسی طرح جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اسی طرح بیٹھے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں مومنوں کو اس قسم کا طرز عمل اپنانے سے منع کیا۔ اسی نہی میں سارے مومن داخل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جو ادب سکھایا وہ تمام لوگوں کو لازم ہو گیا۔ انہیں گھر میں داخل ہونے سے منع کر دیا مگر کھانے کے وقت جب اجازت دی جائے، نہ کہ اس سے قبل کہ تم کھانا پکنے کا انتظار کرو۔

مسئلہ نمبر 2۔ بُيُوْتَ النَّبِيِّ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ بیت مرد کا ہوتا ہے۔ اور اس کا اسی کے حکم میں فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت کی نسبت مرد کی طرف کی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝ ہم کہیں گے: بیوت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ملکیت کے اعتبار سے ہے اور بیوت کی ازواج کی طرف نسبت محل کے اعتبار سے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اجازت دینے کا اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے، اجازت دینے کا حق مالک کو ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے بارے میں اختلاف ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اس میں مقیم تھے کیا یہ گھر ان اہل کی ملکیت ہوں گے یا ملکیت نہیں ہوں گے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) ایک طائفہ کا قول ہے: یہ گھر ان ازواج مطہرات کی ملکیت ہوں گے، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنی وفات تک ان میں سکونت پذیر رہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ گھر اپنی حیات میں عطا کر دیئے تھے۔ (۲) یہ صرف رہائش رکھنے کے لیے تھے جس طرح کوئی آدمی اپنے گھر والوں کو اس میں رکھتا ہے، یہ ہبہ نہیں ہوتے، موت تک ان کی رہائش ان گھروں میں ہی رہی (4)؛ یہ ہی صحیح قول ہے۔ یہی وہ قول ہے جسے

1۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 47 2۔ ایضاً 3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 395 4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1575

ابو عمر بن عبد البر، ابن عربی اور دوسرے علماء نے پسند کیا ہے، کیونکہ ان کی ذمہ داریوں میں سے ایسی ذمہ داری تھی رسول اللہ ﷺ نے جن کی استثناء کردی تھی، جس طرح حضور ﷺ نے ان کے نفقات کو مستثنیٰ کر دیا تھا جب فرمایا: ''میرے ورثاء میرے ورثہ کو دینار اور درہم کی صورت میں تقسیم نہیں کریں گے جو کچھ میں نے چھوڑا ہے وہ میرے اہل کے نفقہ اور عامل کی مزدوری کے بعد صدقہ ہے''(1)۔ اہل علم نے اسی طرح کہا ہے۔ انہوں نے کہا: اس پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ ان گھروں کے مالک ان ازواج مطہرات کے وارث مالک نہیں بنے تھے۔ انہوں نے کہا: اگر یہ گھر ان ازواج مطہرات کی ملکیت ہوتے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ازواج مطہرات کے ورثاء ان گھروں کے مالک بھی ہوتے۔ علماء نے کہا: جب ان کے وارثوں نے ان گھروں کو چھوڑ دیا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ان کی ملکیت نہ تھی۔ یہ صرف ایسے گھر تھے جن میں وہ اپنی زندگی تک رہائش رکھ سکتی تھیں۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو ان گھروں کو مسجد میں شامل کر لیا گیا جس مسجد کا نفع تمام مسلمانوں کو حاصل ہے، جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں سے جسے ان کے نفقہ کے لیے مختص کیا گیا تھا جب ان ازواج کا وصال ہو گیا تو اسے واپس اصل مال میں شامل کر لیا گیا اور تمام مسلمانوں کے منافع کے لیے اسے صرف کیا گیا جس کا نفع تمام کو عام تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وہ اس کھانے کے پکنے کا انتظار نہ کر رہے ہوں۔ اناہ الف مقصورہ کے ساتھ ہے اس میں کئی لغتیں ہیں۔ انی ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ۔ شیبانی نے کہا:

وكِسْرَى إذ تقسمه بَنُوه بأسياف كما اقْتُسِم اللِحام
تمخضت المنون له بيوم أَنَى ولكل حاملة تمام

کسریٰ، جب اس کے بیٹوں نے اس کی بادشاہت کو تلواروں سے تقسیم کیا جس طرح گوشت تقسیم کیا جاتا ہے لوگوں نے اسے اس دن کے قریب کر دیا جو پہنچنے والا تھا اور ہر حاملہ کے لیے تکمیل تھا۔

ابن ابی عبلہ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ طعام کی صفت بناتے ہوئے غیر کو مجرور پڑھا ہے۔ زمخشری نے کہا: یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ یہ صفت غیر حقیقی ہے۔ حقیقت میں یہ جس کی طرف منسوب ہے اس ضمیر کا لفظوں میں ظاہر ہونا ضروری ہے تو پھر کہا جاتا: غیر ناظرین اناہ انتم جس طرح تیرا قول ہے: هند زيد ضاربته هي۔ انی ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور اناء ہمزہ کے فتحہ اور الف ممدودہ کے ساتھ بھی ہے۔ حطیئہ نے کہا:

وآخرت العَشاء إلى سُهَيْل أوالشِّعْرَى فطال بِيَ الإناءُ

رات کے کھانے کو سہیل ستارہ یا شعری ستارہ کے طلوع ہونے تک مؤخر کیا گیا پس میرا فارغ ہونا طویل ہو گیا۔

مراد سہیل ستارہ کا طلوع ہونا ہے۔ انا یہ انی الشئی یانی کا مصدر ہے جب وہ فارغ ہو جائے اس کا وقت ہو جائے اور پالے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا منع کرنے کو مؤکد کیا اور دخول کے وقت کو خاص کیا کہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، نفقة القيم للوقف، جلد 1، صفحہ 389

یہ اجازت کے ساتھ ہونا چاہیے اور ادب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور اس حاضری کو ناپسندیدہ طوالت سے بچایا جائے۔ ابن عربی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے اور تمہیں داخل ہونے کی دعوت دی جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ صرف دعوت داخل ہونے کے لیے کافی اجازت نہیں۔ اذا کے جواب میں فاء ضروری ہے کیونکہ اس میں جزا کا معنی موجود ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کھانا کھانے کے بعد سب الگ الگ ہو جائیں اور منتشر ہو جائیں۔ مراد یہ ہے کہ جب کھانے کا مقصود پورا ہو جائے تو گھر سے نکل آنا ان پر لازم ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ داخل ہونا حرام ہے۔ داخل ہونا صرف اس وقت جائز تھا جب کھانا کھانا ہو۔ جب کھانا ختم ہو چکا تو اس کو مباح کرنے والا سبب زائل ہو گیا اور حرمت اپنے اصل کی طرف لوٹ آئی۔

مسئلہ نمبر 6۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مہمان میزبان کی ملکیت کی بنا پر کھانا کھاتا ہے وہ کھانا اپنی ملکیت ہوتے ہوئے نہیں کھاتا کیونکہ فرمایا: فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا اس مہمان کے لیے کھانے کے سوا کچھ نہیں اور کھانے کو ان کی طرف مضاف نہیں کیا اور ملکیت اپنے اصل پر باقی رہی۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اس کا عطف غَیْرَ نٰظِرِیْنَ پر ہے۔ غیر، لکم ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو گی غیر ناظرین ولا مستانسین یعنی مقصود یہ ہے بات چیت میں دل چسپی رکھتے ہوئے وہاں نہ رک جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے حضرت زینب کے ولیمہ میں کیا تھا۔

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ یعنی حق کے بیان اور اس کے اظہار سے نہیں رہتا۔ جب یہ رکنا انسان سے حیا کی بنا پر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس علت کی نفی کر دی جو انسان میں اس کا سبب تھی۔ صحیح میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام سلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں کرتا، جب عورت کو احتلام ہو تو کیا اس پر غسل کرنا لازم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب وہ پانی دیکھے'' (1)۔

مسئلہ نمبر 8۔ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا ابو داؤد طیالسی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے چار امور میں اپنے رب سے موافقت کی ہے (2)۔ اس میں ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کاش آپ اپنی ازواج پر حجاب کو لازم کر لیں، کیونکہ ان کے پاس نیک اور بدکار داخل ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ سامان کے بارے میں سوال کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایسی چیز جس کو عام طور پر لیا جاتا ہے۔ ایک قول کیا گیا: فتویٰ پوچھا جا سکتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: قرآن کا صحیفہ مانگا جا سکتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ اجازت ان تمام چیزوں کے بارے میں ہے جس کا مطالبہ کیا جاتا ہے خواہ وہ روزمرہ ضرورت کی چیز ہو یا دین و دنیا کے منافع کی چیز ہو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ ضرورت کے وقت پردہ کے پیچھے سے ان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، وجوب الغسل، جلد 1، صفحہ 146

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 706

سے سوال کیا جا سکتا ہے یا ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جا سکتا ہے۔ اس میں معنوی اعتبار سے تمام عورتیں داخل ہیں اور اصل شریعہ جس چیز کو اپنے ضمن میں لیے ہو اس اعتبار سے بھی تمام عورتیں شامل ہیں کہ عورت کا تمام بدن پردہ کرنے کا محل ہے۔ اس کا بدن اور اس کی آواز بھی، جس طرح پہلے گزر چکا ہے ضرورت کے بغیر اس کا ظاہر کرنا جائز نہیں جس طرح اس پر گواہی دینی ہو یا اس کے جسم میں کوئی بیماری ہو یا کوئی سوال جو عارض آ جائے اور اس کے ہاں متعین ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 10۔ بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے پردہ کے پیچھے سے چیز لے سکتے ہیں کیونکہ امّی (نابینا) کی شہادت جائز ہے اور نابینا آدمی اپنی بیوی سے وطی کرتا ہے محض اس کی گفتگو سے پہچان کر لیتا ہے۔ اور اکثر علماء نے نابینا کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور دوسرے علماء نے اسے جائز قرار نہیں دیا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: نسب میں شہادت جائز ہے۔ امام شافعی نے کہا: نابینا کی شہادت نہیں مگر اس کے بارے میں جس کو اس نے نظر جانے سے پہلے دیکھا ہو۔

مسئلہ نمبر 11۔ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ اس سے ان وساوس کا ارادہ کیا ہے جو مردوں کے دلوں میں عورتوں کے متعلق لاحق ہوتے ہیں اور عورتوں کے دلوں میں مردوں کے متعلق لاحق ہوتے ہیں۔ یہ شک کی زیادہ نفی کرنے والا، تہمت کو زیادہ دور کرنے والا اور حفاظت میں زیادہ قوی ہے۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ کسی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ خلوت میں اپنی ذات پر اعتماد کرے جو عورت اس کے لیے حلال نہیں، کیونکہ ایسی عورت سے الگ تھلگ رہنا اس کی حالت کے لیے زیادہ اچھا، اس کے نفس کے لیے زیادہ حفاظت کرنے والا اور اس کی عصمت کے لیے زیادہ مکمل ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ یہ علت کا تکرار ہے اور اس کے حکم کی تاکید ہے۔ علت کو مؤکد کرنا احکام میں زیادہ قوت کا باعث ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اسماعیل بن اسحاق، محمد بن عبید سے وہ محمد بن ثور سے وہ معمر سے وہ قتادہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کروں گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کو نازل کیا۔ قشیری ابو نصر عبدالرحمن نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش کے دس سرداروں میں سے ایک نے دل میں کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حراء پر تھے: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں حضرت عائشہ سے نکاح کروں گا کیونکہ وہ میری چچا زاد ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ تھے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ آدمی اس پر شرمندہ ہوا جو اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا۔ وہ پیدل مکہ مکرمہ کی طرف گیا اور جہاد میں دس مجاہدین کو گھوڑے پر سوار کیا، ایک غلام کو آزاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی خطا کو بخش دیا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ روایت کی گئی ہے (2) کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ کسی صحابی نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو میں

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 483
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 396

حضرت عائشہ صدیقہ سے عقد نکاح کروں گا۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے اذیت پہنچی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحابی کا کنایۃً ذکر کیا ہے۔ مکی نے معمر سے روایت نقل کی ہے کہ وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ تھے۔

میں کہتا ہوں: نحاس نے معمر سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد حضرت طلحہ تھے، یہ صحیح نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ حضرت ابن عباس کا بھلا کرے (1)۔ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت طلحہ بن عبید اللہ مراد لینا صحیح نہیں۔ ہمارے شیخ ابو العباس نے کہا: یہ قول بعض فاضل صحابہ سے مروی ہے، ان فاضل صحابہ سے ایسی بات واقع ہونا بہت ہی بعید ہے اور اس کا نقل کرنا سراسر جھوٹ ہے۔ اس قسم کا قول منافق اور جاہل ہی کر سکتا ہے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک منافق نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سلمہ کے بعد حضرت ام سلمہ سے شادی کی اور خنیس بن حذافہ کے بعد حضرت حفصہ سے شادی کی: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ہماری عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں اللہ کی قسم! اگر آپ کا وصال ہوا تو ہم بھی آپ کی ازواج سے شادیاں کریں گے۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور ان کو ماں کا حکم دے دیا (2)۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے مقصد آپ کی شرافت کو ممتاز کرنا اور آپ کے مرتبہ پر آگاہ کرنا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: وہ ازواج مطہرات جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں تھیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ان کے ساتھ نکاح کرنا کسی کے لیے بھی حلال نہیں، کیونکہ جنت میں بھی یہی آپ کی بیویاں ہیں۔ بے شک جنت میں ایک عورت اس کی بیوی ہوگی دنیا میں جس آخری مرد کے ساتھ اس کا نکاح ہوا تھا۔ حضرت حذیفہ نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تجھے یہ بات خوش کرے تو جنت میں بھی میری بیوی ہو اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں جمع کرے تو میرے بعد کسی سے عقد نکاح نہ کرنا کیونکہ عورت اپنے آخری خاوند کے ساتھ ہوگی (3) ہم علماء کی جو اس بارے میں آراء ہیں وہ کتاب ''التذکرہ'' میں جنت کے ابواب میں ذکر کر چکے ہیں۔

مسئلہ نمبر 14۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کیا آپ کی بیویاں رہی ہیں یا موت کے ساتھ نکاح زائل ہو چکا ہے؟ جب موت کے ساتھ نکاح زائل ہو گیا کیا ان پر عدت ہوگی یا عدت نہیں ہوگی؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر عدت ہوگی، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت یہ آپ کے عقد میں تھیں اور عدت عبادت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر کوئی عدت نہیں۔ عدت انتظار کی مدت ہوتی ہے عورت کے مباح ہونے کے لیے اس کا انتظار کیا جاتا ہے، یہی صحیح قول ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جو میں نے چھوڑا ہے وہ میرے بعد میرے اہل و عیال کا نفقہ ہے'' (4)۔ عیال کے لیے اہل کا لفظ بھی مذکور ہے۔ یہ لفظ زوجیت کے ساتھ خاص ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی زندگی تک ان کے لیے نفقہ اور سکنی باقی رکھا ہے، کیونکہ یہ تو قطعی بات ہے کہ یہ آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں باقی ماندہ لوگوں کا معاملہ مختلف ہے، کیونکہ کوئی آدمی یہ نہیں جانتا کہ وہ اپنے اہل کے ساتھ ایک ہی گھر میں ہوں گے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک جنت میں ہو اور دوسرا جہنم میں ہو تمام مخلوق کے حق میں یہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 396
2۔ ایضاً
3۔ التذکرہ، اذا اہتکر الرجل امرأۃ، جلد 2، صفحہ 640
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1580

سبب منقطع ہو چکا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ سبب باقی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دنیا میں جو میری بیویاں ہیں وہ آخرت میں بھی میری بیویاں ہیں'' (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر سبب اور نسب ختم ہو جائے گا مگر میرا سبب اور نسب باقی رہے گا کیونکہ یہ قیامت تک باقی ہے'' (2)۔

فرع: جہاں تک ان ازواج کا تعلق ہے جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی جدائی اختیار کر لی تھی جیسے کلبیہ اور دوسری عورتیں کیا کسی اور کے لیے ان سے نکاح کرنا جائز ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ روایت کی گئی ہے کہ کلبیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدگی اختیار کی تھی تو حضرت عکرمہ بن ابی جہل نے اس سے شادی کی جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشعث بن قیس کندی نے اس سے شادی کی۔ قاضی ابوطیب نے کہا: اس سے مہاجر بن ابی امیہ نے شادی کی اور اس کا کسی نے انکار نہیں کیا جو اس بات پر دال ہے کہ یہ اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا اور آپ کی بیویوں سے نکاح کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم ہے۔ اسے گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے اور اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ نمبر 16۔ ہم حضرت انس کی حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے حجاب کے نزول کا سبب بیان کر چکے ہیں۔ حضرت عمر، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کرتے جب وہ باہر نکلتیں جب کہ وہ طویل قد کی تھیں: اے سودہ! ہم نے آپ کو دیکھ لیا ہے (3)۔ آپ یہ بات اس امر کے حریص ہونے کے لیے کرتے کہ حجاب کا حکم نازل ہو تو اللہ تعالیٰ نے حجاب کا حکم نازل کر دیا۔ یہ بات حقیقت سے کوئی بعید نہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے یہ سب اسباب ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے مگر حضرت زینب بنت جحش کا وصال ہوا تو حضرت عمر نے فرمایا: اس کے جنازہ میں ذومحرم کے علاوہ کوئی حاضر نہ ہو (4)۔ مقصود اس حجاب کو ملحوظ خاطر رکھنا تھا جن کی وجہ سے حجاب کا حکم نازل ہوا تھا۔ حضرت اسماء بنت عمیس نے حضرت عمر کی رہنمائی کی کہ ان کی چارپائی پر قبہ نما پردہ ڈالا جائے اور حضرت عمر کو یہ بھی بتایا کہ آپ نے حبشہ کے علاقہ میں اسے دیکھا تھا تو حضرت عمر نے ایسا ہی کیا۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں ان کے جنازہ میں بھی ایسا ہی کیا گیا۔

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

''چاہے تم کسی بات کو ظاہر کر دو یا اسے چھپاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو ظاہر ہے یا مخفی ہے۔ وہ اسے بھی جانتا ہے جو ہو چکا ہے اور جو ابھی تک واقع نہیں ہوا۔ اس پر کوئی گزرا ہوا مخفی نہیں اور نہ آنے والا مستقبل مخفی ہے۔ یہ اپنے عموم پر ہے اس کے ساتھ اس کی مدح کی جا رہی ہے وہ مدح اور حمد کا مستحق ہے۔ یہاں اس سے مراد توبیخ اور اس کے لیے وعید ہے جس کی سابقہ آیت میں اشارۃً بات کی گئی تھی۔ وہ ان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 374
2۔ المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 3، صفحہ 153، حدیث نمبر 282
3۔ صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، آیۃ الحجاب، جلد 2، صفحہ 922
4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 396

لوگوں میں سے تھا جس کی طرف اس آیت کے ساتھ اشارہ کیا گیا تھا: ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ اور جس کی طرف اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا تھا: وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا انہیں اس آیت میں فرمایا: اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو وہ اعتقادات ہوں اور دل میں جو ناپسندیدہ وساوس ہوں اور ان پر تمہیں بدلہ عطا فرمائے گا۔ یہ آیت ماقبل آیت سے منقطع ہے اور اس کے لیے بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَ لَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآىِٕهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَ اتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

”کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے ہاں آمیں ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھتیجے اور ان کے بھانجے اسی طرح مسلمان عورتوں اور لونڈیوں کی آمدورفت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ (اے عورتو!) ڈرا کرو اللہ (کی نافرمانی) سے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرمارہا ہے“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب حجاب والی آیت نازل ہوئی تو آباء، ابناء اور قریبی رشتہ داروں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ہم بھی ان سے حجاب کے پیچھے سے بات کریں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان افراد کا ذکر کیا ہے جن کے سامنے عورت ظاہر ہو سکتی ہے چچا اور ماموں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ دونوں والدین کے قائم مقام ہیں۔ چچا کو بھی اب کہہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ (البقرہ: 133) حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چچا تھے۔ زجاج نے کہا: چچا اور ماموں بعض اوقات اپنی اولاد کے سامنے عورت کی صفت بیان کرتے ہیں، کیونکہ عورت چچازاد اور ماموں زاد بھائی کے لیے حلال ہوتی ہے اسی وجہ سے دونوں کے لیے دیکھنا مکروہ ہے۔ امام شعبی اور عکرمہ نے اسے ناپسند کیا ہے کہ عورت اپنی اوڑھنی اپنے چچا اور ماموں کے ہاں اتارے۔ یہاں بعض محارم کا ذکر کیا اور سورۂ نور میں تمام محارم کا ذکر کیا (1)۔ یہ آیت اس آیت کا بعض ہے۔ وہاں مفصل گفتگو گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

مسئلہ نمبر 3۔ وَ اتَّقِيْنَ اللّٰهَ جب اللہ تعالیٰ نے ان اقسام میں رخصت عطا فرمائی اور اباحت قطعی ہوگئی تو تقویٰ کے امر کو ان پر عطف کیا جس طرح جملہ کا عطف جملہ پر ہوتا ہے یہ آیت حد درجہ کی بلاغت اور ایجاز میں ہے۔ گویا فرمایا: اسی پر اپنے آپ کو محدود کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس میں ڈرو کہ تم کسی اور کی طرف تجاوز کرو۔ عورتوں کا خصوصی ذکر کیا اور اس امر میں ان کی تعیین کی کیونکہ وہ کم تحفظ کرتی ہیں اور ان کی اوڑھنیاں اکثر ڈھلک جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ پھر اس ارشاد کے ساتھ دھمکی دی: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 397

إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا کرو"۔

یہ ایسی آیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور آپ کی موت کی حالت میں بھی شرف بخشا۔ اللہ کی بارگاہ میں آپ کا جو مقام و مرتبہ ہے اس کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ ہر اس آدمی کے برے فعل سے پاکیزہ بنا دیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی سوچ اپنائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں بری سوچ اپنائی یا اس طرح کا کوئی معاملہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف جب لفظ صلاۃ کی نسبت کی جائے تو اس سے مراد اس کی رحمت اور رضا ہے، فرشتوں کی طرف جب نسبت ہو تو مراد دعا اور استغفار ہے اور امت کی جانب سے ہو تو دعا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی تعظیم ہے۔

مسئلہ: یُصَلُّوْنَ کی ضمیر کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے: اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے لیے ہے (1)۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قول ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے فرشتوں کو شرف بخشا ہے۔ خطیب کے قول میں جو اعتراض ہے وہ اسے لاحق نہیں ہوتا۔ خطیب نے کہا تھا: من یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و من یعصھما فقد غوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: "تو کتنا برا خطیب ہے (2)، تو کہہ: و من یعص اللہ و رسولہ" اسے صحیح نے نقل کیا ہے۔ علماء نے کہا: کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ایک ضمیر میں غیر کے ساتھ جمع کرے اور اللہ تعالیٰ جیسے چاہے کرے۔

ایک جماعت نے کہا: کلام میں حذف ہے۔ اس کی تقدیر ہے: ان اللہ یصلی و ملائکتہ یصلون آیت میں ضمیر کا اجتماع نہیں انسان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معنی کی بنا پر بئس الخطیب انت نہیں فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ اس لیے فرمایا کیونکہ خطیب نے و من یعصھما پر سکتہ کیا تھا۔ انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا جسے ابو داؤد نے حضرت عدی بن حاتم سے روایت نقل کی ہے کہ ایک خطیب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں خطبہ دیا۔ اس نے کہا: من یطع اللہ و رسولہ و من یعصھما فرمایا یا کہا: "جا تو کتنا برا خطیب ہے" (3) مگر یہ احتمال رکھتا ہے کہ جب اس نے وقفہ میں خطا کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: بئس الخطیب اس کے بعد اس کی تمام کلام کی اصلاح کی، فرمایا: کہہ و من یعص اللہ و رسولہ۔ جس طرح مسلم کی کتاب میں ہے۔ یہ پہلے قول کی تائید کرتی ہے کہ اس نے و من یعصھما پر وقف نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا و ملائکتہ یعنی رفع کے ساتھ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عطف ان کے داخل ہونے سے پہلے لفظ اللہ اسم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 397 — 2۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، فی ایجاز الخطبہ، جلد 1، صفحہ 286

3۔ سنن ابی داؤد، باب الرجل یخطب علی قوس، حدیث نمبر 925، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جلالت کے محل کے اعتبار سے ہے۔ جمہور نے اسے نصب دی ہے اس کا عطف لفظ اللہ اسم جلالت پر ہے جو مکتوب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں دوسرے انبیاء کے بارے میں ایسا حکم نہیں مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کو ظاہر کرنا تھا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں زندگی میں ایک دفعہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ اور ہر لحہ ایسے واجبات میں سے ہے جو سنن مؤکدہ کی طرح واجب ہو۔ جس کے ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سے غافل نہیں ہوتا مگر وہی شخص جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ زمخشری نے کہا: اگر تو کہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے یا مستحب؟ میں جواب دوں گا: واجب۔ اس کے وجوب کے حال میں اختلاف ہے۔ ان میں سے کچھ علماء تو ایسے ہیں جو اس کو واجب قرار دیتے ہیں جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو۔ حدیث طیبہ میں ہے: ”جس کے ہاں میرا ذکر کیا گیا تو اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمتوں سے دور کرے“(1)۔ یہ روایت کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کے بارے میں بتائیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یہ پوشیدہ علم میں سے ہے اگر تم مجھ سے اس بارے میں سوال نہ کرتے میں تمہیں اس کے بارے میں نہ بتاتا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دو فرشتے مقرر کیے ہیں کسی مسلمان کے ہاں میرا ذکر نہیں کیا جاتا مگر وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ اللہ اور اس کے فرشتے ان کے جواب میں کہتے ہیں: آمین۔ اور میرا کسی بندہ مسلم کے پاس ذکر نہیں کیا جاتا اور وہ مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر وہ دو فرشتے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے تو اللہ تعالیٰ (☆) اور اس کے فرشتے ان فرشتوں کے جواب میں کہتے ہیں: آمین“(2)۔

علماء میں سے کچھ نے کہا: ہر مجلس میں ایک دفعہ درود پڑھنا واجب ہے، اگرچہ آپ کا ذکر مکرر ہو، جس طرح آیت سجدہ اور چھینک مارنے والے کے جواب میں ہے، اسی طرح ہر دعا کے اول اور آخر میں درود پڑھنا واجب ہے(3)۔ ان علماء میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے عمر میں اسے واجب کیا ہے، اسی طرح شہادتین کے اظہار میں بھی کہا۔ احتیاط جس امر کا تقاضا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے درود پڑھنا واجب ہے، کیونکہ اس بارے میں احادیث وارد ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پڑھنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم حضرت سعد بن عبادہ کی مجلس میں تھے حضرت بشیر بن سعد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود بھیجیں۔ ہم کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود بھیجیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے تمنا کی کہ کاش وہ سوال نہ کرتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم فی العالمین انك

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 557 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 558 (☆) اللہ تعالیٰ کا ذکر برائے تکریم ہے۔

حمید۔ سلام کو تم جانتے ہو(1)۔

امام نسائی نے حضرت طلحہ سے اس کی مثل روایت نقل کی ہے اس میں فی العالمین کے الفاظ ساقط کیے ہیں۔ اسی طرح والسلام کما قد علمتم کو بھی ساقط کیا ہے۔ اس باب میں کعب بن عجرہ، ابی حمید ساعدی، حضرت ابو سعید خدری، حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت بریدہ خزاعی، حضرت زید بن خارجہ، ابن حارث بھی کہا جاتا ہے سے روایت مروی ہے۔ ائمہ اہل حدیث نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت کعب بن عجرہ کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو حمید ساعدی کی روایت نقل کی ہے۔ ابو عمر نے کہا: شعبہ اور ثوری نے حکم بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ اور وہ حضرت کعب بن عجرہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا نازل ہوا۔ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے کو تو ہم نے پہچان لیا ہے تو درود کیسے ہے؟ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: کہو اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید (2)۔ یہ الفاظ ثوری کی حدیث کے ہیں شعبہ کی حدیث کے نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ کی تفسیر ہے۔ اس امر کو واضح کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود کیسے پڑھنا ہے اور التحیات میں انہیں سلام پڑھنا سکھایا وہ یہ قول ہے: السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (3)۔ مسعودی نے عون بن عبد اللہ سے وہ ابو فاختہ سے وہ اسود سے وہ حضرت عبد اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ فرمایا: جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پڑھو تو اچھی طرح درود شریف پڑھو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اسے آپ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ لوگوں نے عرض کی: ہمیں اس کی تعلیم دو، کہا: کہو اللھم اجعل صلواتك ورحمتك وبرکاتك علی سید المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدك ونبیك ورسولك امام الخیر وقائد الخیر ورسول الرحمۃ اللھم ابعثہ مقاما محمودا یغبطہ بہ الاولون والاخرون۔ (4)

اے اللہ! اپنی عنایات، اپنی رحمت اور اپنی برکات سید المرسلین، متقین کے امام، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو تیرے بندے، تیرے نبی، تیرے رسول، خیر کے امام، خیر کے قائد اور رحمت کے رسول ہیں ان پر کر۔ اے اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر مبعوث فرما جس کی وجہ سے اگلے پچھلے آپ پر رشک کریں۔

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید، اللھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی براھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید۔ ہمیں قاضی عیاض کی کتاب ''الشفا'' (5) میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے متصل سند کے ساتھ روایت نقل کی گئی ہے کہا: انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 175 2۔ ایضاً

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، ما جاء فی التشہد، صفحہ 65 4۔ الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ 66 5۔ الشفا، جلد 2، صفحہ 642

نے میرے ہاتھوں میں شمار کیا اور کہا: انہیں جبریل امین نے میرے ہاتھوں میں شمار کیا اور کہا اسی طرح رب العزت کے ہاں یہ نازل ہوئے۔

اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی ابراهیم انك حمید مجید۔ اللهم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید۔ اللهم وترحم علی محمد وعلی آل محمد کما ترحمت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید۔ اللهم تحنن علی محمد وعلی آل محمد کما تحننت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید۔

ابن عربی نے کہا: ان روایات سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ کمزور ہیں۔ ان میں سے صحیح ترین روایت وہ ہے جسے امام مالک نے روایت کیا ہے اسی پر اعتماد کیا ہے اسی پر اعتماد کرو (1)۔ امام مالک کے علاوہ روایت میں الصلاۃ کے علاوہ رحمت کے الفاظ زائد ہیں اور اس روایت کے علاوہ کوئی قوی روایت نہیں۔ لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے دینی امور میں غور وفکر کریں جس طرح وہ اپنے اموال میں غور وفکر کرتے ہیں وہ بیع میں عیب والا دینار نہیں لیتے، وہ پاکیزہ اور سالم دینار لیتے ہیں، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی روایات ہی لینی چاہئیں جن کی سند صحیح ہو۔ تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کی کوئی صورت نہ بنے۔ بعض اوقات وہ فضیلت کا طالب ہوتا ہے تو وہ نقص کو پالیتا ہے بلکہ بعض اوقات وہ واضح خسارہ پالیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ درود شریف کی فضیلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر اس کی وجہ سے دس دفعہ رحمتیں نازل فرماتا ہے'' (2)۔ حضرت سہل بن عبد اللہ نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا عبادت میں سے افضل عبادت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں نے اس امر کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے، پھر اس کے بارے میں مومنوں کو حکم دیا۔ تمام عبادات اس طرح نہیں۔ ابو سلیمان دارانی نے کہا: جو اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کے سوال کرنے کا ارادہ کرے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پڑھنے سے آغاز کرے پھر اپنی حاجت کا سوال کرے پھر اس کا اختتام بھی درود پر کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ دونوں درود قبول فرماتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ کریم ہے کہ درمیان والے کو رد کر دے۔ سعید بن مسیب نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: دعا کو آسمان کے نیچے سے روک دیا جاتا ہے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پیش کیا جائے (3)۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود آ جاتا ہے تو دعا کو اوپر اٹھا لیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کتاب میں مجھ پر درود شریف پڑھا تو فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے جب تک میرا نام اس کتاب میں موجود رہے گا'' (4)۔

مسئلہ نمبر 4۔ نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ جس پر جم غفیر اور جمہور

1۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1584

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 175

3۔ کنز العمال، جلد 2، صفحہ 88-87، حدیث نمبر 3269

4۔ المعجم الاوسط، جلد 2، صفحہ 496، حدیث نمبر 1856

کثیر ہے وہ یہ ہے کہ یہ نماز کی سنت اور اس کا مستحب ہے۔ ابن منذر نے کہا: مستحب یہ ہے کہ کوئی آدمی نماز نہ پڑھے مگر اس میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے۔ اگر کوئی درود کو ترک کردے تو امام مالک، اہل مدینہ، سفیان ثوری، اصحاب الرائے میں سے اہل کوفہ اور دوسرے علماء کے نزدیک نماز جائز ہے، اہل علم میں سے کثیر لوگوں کا یہ قول ہے۔ امام مالک اور سفیان سے یہ مروی ہے کہ آخری تشہد میں یہ مستحب ہے اور تشہد میں درود کو ترک کرنے والا گناہگار ہوگا۔ امام شافعی نے الگ رائے قائم کی آپ نے نماز میں درود ترک کرنے والے پر اعادہ کو واجب کیا ہے۔ اسحاق نے نماز کے اعادہ کو واجب کیا ہے جب کہ وہ جان بوجھ کر درود کو ترک کرے بھول کر نہ چھوڑے۔ ابو عمر نے کہا: امام شافعی نے کہا: جب نمازی آخری تشہد میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے درود نہ پڑھے تو وہ نماز کا اعادہ کرے۔ کہا: اگر اس نے تشہد سے پہلے درود پڑھا تو یہ اس کے لیے جائز نہیں۔ یہ وہ قول ہے جو حرملہ بن یحییٰ نے ان سے نقل کیا ہے۔ اس قسم کی روایت امام شافعی سے نہیں پائی جاسکتی مگر حرملہ سے پائی جاسکتی ہے۔

یہ امام شافعی کے کبار شاگردوں میں سے ہیں جنہوں نے امام شافعی کی کتب لکھی ہیں۔ امام شافعی کے اصحاب نے اس کو اپنایا، اس کی طرف مائل ہوئے اور اس پر غور و فکر کیا ان کے نزدیک یہی ان کے مذہب کا خلاصہ ہے۔ امام طحاوی نے گمان کیا ہے: ان کے علاوہ کسی اہل علم نے ایسا قول نہیں کیا۔ خطابی نے کہا جب کہ وہ امام شافعی کے اصحاب میں سے ہے یہ نماز میں واجب نہیں۔ یہ فقہاء کے جماعت کا قول ہے مگر امام شافعی اس میں شامل نہیں۔ اس امر پر دلیل کہ یہ نماز کے فرائض میں سے ہے وہ امام شافعی سے قبل سلف صالحین کا عمل اور ان کا اجماع ہے۔ اس مسئلہ میں امام شافعی پر سخت گرفت کی گئی ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے جسے امام شافعی نے اپنایا نبی کریم ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے۔ اس میں نبی ﷺ پر درود نہیں۔ اسی طرح ہر وہ راوی جس نے نبی کریم ﷺ سے تشہد روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ کر تشہد کی تعلیم دیا کرتے تھے، جس طرح تم بچوں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی منبر پر تشہد کی تعلیم دی۔ اس میں نبی کریم ﷺ پر درود کا ذکر نہیں۔

میں کہتا ہوں: ہمارے اصحاب میں سے محمد بن مواز نے نماز میں نبی کریم ﷺ پر درود کے واجب ہونے کا قول کیا ہے جو ابن قصار اور عبد الوہاب نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے حدیث صحیح کی وجہ سے اسے اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آپ کی بارگاہ میں درود پڑھیں تو ہم کیسے آپ کی بارگاہ میں درود پڑھیں (1)؟ حضور ﷺ نے درود اور اس کا وقت بتایا تو درود کیفیت اور وقت کے اعتبار سے متعین ہوگیا۔ دارقطنی نے ابی جعفر محمد بن علی بن حسین سے یہ قول ذکر کیا ہے: اگر میں ایسی نماز پڑھوں جس میں میں نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھوں اور نہ ہی آپ کے اہل بیت پر درود پڑھوں تو میں یہ خیال کرتا ہوں کہ وہ نماز مکمل نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے؛ صحیح یہ ہے کہ یہ ابو جعفر کا قول ہے یہ دارقطنی نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا قاضی ابو بکر بن بکیر نے کہا: یہ آیت نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، الصلوۃ علی النبی ﷺ، جلد 1، صفحہ 175

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کریں۔ اسی طرح جو بعد کے مسلمان ہیں ان کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کریں جب وہ آپ کی قبر پر حاضر ہوں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے۔ امام نسائی نے عبداللہ بن ابی طلحہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے جب کہ خوشی آپ کے چہرہ سے عیاں تھی۔ میں نے عرض کی: ہم آپ کے چہرہ پر خوشی دیکھتے ہیں۔ فرمایا: ''میرے پاس ایک فرشتہ آیا ہے، اس نے کہا: اے محمد! آپ کا رب ارشاد فرماتا ہے کیا آپ کو یہ بات راضی نہیں کرتی کہ کوئی بندہ آپ پر درود نہیں پڑھے گا مگر میں اس پر دس دفعہ کرم فرماؤں گا۔ کوئی آپ پر ایک دفعہ سلام عرض نہیں کرے گا مگر میں اس پر دس دفعہ سلام بھیجوں گا'' (1)۔ محمد بن عبدالرحمن سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب میرا وصال ہو جائے گا تو تم میں سے کوئی مجھ پر سلام پیش نہیں کرے گا مگر اس کا سلام جبریل امین کے ساتھ میرے پاس آئے گا۔ جبریل امین کہیں گے: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ فلاں بن فلاں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔ میں جواب میں کہوں گا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔ امام نسائی نے حضرت عبداللہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے فرشتے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے ہیں، وہ میری امت کی جانب سے مجھے سلام عرض کرتے ہیں'' (2)۔ قشیری نے کہا: سلام تیرا یہ قول ہے: سلام علیک۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ۝

''بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے رسوا کن عذاب''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اذیت دینے سے کیا مراد ہے؟ علماء میں سے جمہور نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے ساتھ کفر کرنا، بیوی، بچے اور شریک کو اس کی طرف منسوب کرنا اور اس کی ایسی صفت ذکر کرنا جو اس کے شایان نہ ہو (3)، جس طرح یہودی نے کہا: اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ یہودیوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ہاتھ جکڑے ہوئے ہیں۔ نصاریٰ نے کہا: حضرت مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ مشرکوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں اور بت اس کے شریک ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اسے یہ حق نہ تھا، اس نے مجھے گالی دی اور اسے یہ حق نہ تھا'' (4)۔ سورت مریم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ''اللہ

1۔ سنن نسائی، کتاب الصلوۃ، الفضل فی الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 189

2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 189 3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 398

4۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قل هو اللہ احد، جلد 2، صفحہ 744

تعالیٰ کا فرمان ہے: ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ کہتا ہے یا خیبۃ الدھر تم میں سے کوئی بھی یا خیبۃ الدھر نہ کہے بے شک میں ہی دہر ہوں، میں ہی اس کے دن اور رات کو لوٹاتا ہوں۔ جب میں چاہتا ہوں ان دونوں کو قبض کر لیتا ہوں'' (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف حدیث اسی طرح آئی ہے۔ ان سے ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے۔ ''ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ زمانہ کو گالی دیتا ہے میں زمانہ ہوں میں ہی دن اور رات کو الٹتا ہوں'' (2)۔ اسے امام مسلم نے بھی نقل کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے وہ تصویر بنا کر اور ایسا فعل کر کے جسے اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے جس طرح چھیل کر تصویریں بنانا اور اس کے علاوہ دوسرے امور۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مصوروں پر لعنت کرے'' (3)۔ میں کہتا ہوں: یہ ان چیزوں میں ہے جو مجاہد کے قول کو تقویت باہم پہنچاتی ہے کہ وہ درخت اور دوسری چیزوں کی تصویر بنانے سے منع کرتے، کیونکہ یہ سب اختراع کی صفت اور اللہ تعالیٰ کے فعل کے ساتھ تشبہ ہے جس فعل میں اللہ تعالیٰ کی ذات منفرد ہے۔ سورۂ نمل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔ ایک فرقہ نے کہا: یہ مضاف کے حذف کی بنا پر ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے یوذون اولیاء اللہ (4)۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو اذیت دیتے ہیں۔ جہاں تک اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ تمام اقوال ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں اور ایسے افعال بھی ہو سکتے ہیں جو آپ کو اذیت دیتے ہیں جہاں تک ان کے قول کا تعلق ہے: وہ ساحر، شاعر، کاہن، مجنون۔ جہاں تک ان کے فعل کا تعلق ہے وہ غزوہ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رباعیہ کو توڑنا اور آپ کے چہرہ کو زخمی کرنا ہے۔ اور مکہ مکرمہ میں جب سجدہ کی حالت میں تھے اس وقت آپ پر اوجھ پھینک دینا، اس کے علاوہ دوسرے افعال۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت طعن کیا تھا جب آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی کو اپنے حرم میں لیا تھا (5)۔ اللہ تعالیٰ کو اذیت اور اس کے رسول کی اذیت کو مطلق ذکر کیا اور مومنوں اور مومنات کی اذیت کو مقید کیا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت ہمیشہ ناحق ہوتی ہے اور مومنوں اور مومنات کو اذیت کبھی ناحق اور کبھی حق کے ساتھ ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ہمارے علماء نے کہا: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا امیر بنایا تو اس پر طعن یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہے (6)۔ صحیح نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا، اس پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا لوگوں نے ان کی امارت پر طعن کیا (7)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے فرمایا: ''اگر تم اس کی امارت پر طعن کرتے ہو تو تم نے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی طعن کیا تھا، اللہ کی قسم! یہ امارت کا مستحق ہے یہ مجھے لوگوں میں سے محبوب ترین ہے یہ اس کے بعد مجھے لوگوں میں سے محبوب ترین ہوگا''۔ یہ لشکر اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے وہی تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کے لیے تیار کیا تھا ان پر حضرت اسامہ کو امیر بنایا تھا اور حضرت اسامہ کو حکم

1۔ صحیح مسلم، باب النہی عن سب الدھر، جلد 2، صفحہ 237
2۔ ایضاً
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 398
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً
7۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، مناقب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جلد 1، صفحہ 528

دیا تھا کہ وہ ’’ابنی‘‘ پر حملہ کرے یہ وہ بستی تھی جو موتہ کے قریب تھی جہاں حضرت زید کو شہید کیا گیا تھا ساتھ ہی حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت اسامہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کا بدلہ لے تو جس کے دل میں کچھ شک تھا اس نے آپ کی امارت پر طعن کیا تھا، کیونکہ یہ غلاموں میں سے تھے، یعنی غلام کے بیٹے تھے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ چھوٹی عمر کے تھے، کیونکہ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا جب کہ یہ لشکر مدینہ طیبہ سے باہر نکل چکا تھا لیکن ابھی دور نہیں گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امر کو نافذ کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس حدیث میں یہ واضح دلیل موجود ہے کہ مولیٰ اور مفضول کی امامت ان کے غیر پر جائز ہے مگر امامت کبریٰ جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قبا میں حضرت سالم جو ابوحذیفہ کے غلام تھے انہیں نماز کے لیے امام بنایا۔ حضرت سالم ان کی امامت کرتے جب کہ صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور دوسرے کبار قریش ہوتے تھے۔ صحیح عامر بن واثلہ سے روایت کرتی ہے کہ حضرت نافع بن عبد الحارث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عسفان میں ملے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مکہ مکرمہ پر عامل بنایا ہوا تھا، پوچھا: تو نے اس وادی پر کس کو عامل بنایا ہے؟ انہوں نے عرض کی: ابن ابزیٰ کو۔ پوچھا ابن ابزیٰ کون ہے؟ عرض کی: ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام۔ پوچھا: تو نے غلاموں میں سے ایک غلام کو ان پر عامل بنایا ہے؟ عرض کی: وہ کتاب اللہ کا قاری ہے، وہ علم فرائض کو جانتا ہے۔ فرمایا: خبردار! تمہارے نبی کا ارشاد ہے ’’اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کئی لوگوں کو بلند فرماتا ہے اور کئی کو پست کرتا ہے‘‘ (1)۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ محبوب تھے محبوب کے بیٹے تھے۔ اسی لقب سے بلائے جاتے تھے۔ ان کا رنگ شدید سیاہ تھا ان کے والد روئی سے بھی زیادہ سفید تھے۔ ابوداؤد نے احمد بن صالح سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ احمد کے علاوہ نے کہا: حضرت زید چمکیلے رنگ والے تھے اور حضرت اسامہ شدید قسم کے گندم گوں تھے۔ یہ بھی روایت بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت اسامہ کو بناتے سنوارتے جب کہ وہ چھوٹے تھے ان کے ریشہ کو صاف کرتے اور ان کی ناک کو صاف کرتے اور فرماتے: ’’اگر اسامہ بچی ہوتی تو ہم اس کو مزین کرتے، اس کا بناؤ سنگھار کرتے اور ہم اسے مرد خاوندوں کے لیے محبوب بنا دیتے‘‘۔ یہ ذکر کیا گیا ہے نبی کریم ﷺ کے بعد عربوں کے ارتداد کا سبب ان کا یہ گستاخانہ کلام تھا۔ جب حضور ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر جبل عرفہ پر عرفہ کی شام روانگی کے وقت تھے حضرت اسامہ کی وجہ سے تھوڑا وقت رکے یہاں تک کہ حضرت اسامہ آ گئے انہوں نے کہا: آپ صرف اس کے لیے رکے ہیں۔ انہوں نے یہ بات حضرت اسامہ کی حقارت بیان کرنے کے لیے کی تھی۔ ان کا یہی گستاخانہ قول ان کی حقارت کا سبب بنا۔ امام بخاری نے اس کا ہم معنی قول نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ کے لیے عطیہ میں پانچ ہزار اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کے لیے دو ہزار معین کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ نے عرض کی: آپ ﷺ نے حضرت اسامہ کو فضیلت دی جب کہ میں ایسی جنگوں میں شریک ہوا ہوں

1۔ ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 512، حدیث نمبر 2275

جن میں حضرت اسامہ شریک نہیں ہوئے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت اسامہ تیری بنسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے اور ان کے والد حضرت زید تیرے والد کی بنسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے محبوب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو ترجیح دی۔ اسی طرح لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس سے محبت کریں اس سے محبت رکھی جائے اور جس سے بغض رکھیں اس سے بغض کیا جائے (1)۔ مروان نے اس محبت کے برعکس رویہ اپنایا اس کی صورت یہ ہوئی کہ مروان حضرت اسامہ بن زید کے پاس سے گزرا جب کہ حضرت اسامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ مروان نے آپ سے کہا: تو نے ارادہ کیا کہ ہم تیرے مقام و مرتبہ کو دیکھیں پس ہم نے تیرے مقام و مرتبہ کو دیکھا ہے اللہ تعالیٰ نے جو تیرے ساتھ سلوک کیا ہے اور اس نے قبیح قول کیا۔ حضرت اسامہ نے اسے کہا: تو نے مجھے اذیت دی ہے تو فاحش متفحش ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ فحش متفحش کو ناپسند کرتا ہے''۔ دونوں رویوں کو دیکھو دونوں افراد کو دیکھو بنوامیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں کی شان کم کرنے کی کوشش کی۔

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ انہیں ہر بھلائی سے دور کر دیا گیا۔ لغت میں لعن سے مراد دور کرنا ہے اسی سے لعان ہے۔ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا اس کا معنی کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

''اور جو لوگ دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھالیا (اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ''۔

مومنوں اور مومنات کو اذیت بھی قبیح افعال اور قبیح اقوال کے ساتھ ہوتی ہے، جس طرح گھڑا ہوا بہتان اور فحش تکذیب اس آیت کی مثل ہے جو سورۂ نساء میں ہے وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿﴾ (النساء) جس طرح یہاں فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اذیت سے مراد یہ ہے کہ اسے مذموم حسب کی وجہ سے یا مذموم پیشہ کی وجہ سے یا ایسی چیز کی وجہ سے جس کو جب سنے تو اس کے لیے بوجھ بنے، کیونکہ اس کو اذیت دینا فی الجملہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت میں اور مومنوں کی اذیت میں فرق کیا ہے پہلے کو کفر اور دوسرے کو گناہ کبیرہ بنایا ہے مومنوں کو اذیت دینے کے بارے میں فرمایا: فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ہم نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں نے گزشتہ رات یہ آیت پڑھی تو میں اس سے گھبرا گیا وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا اللہ کی قسم! میں تو انہیں مارتا ہوں اور انہیں جھڑکتا ہوں۔ حضرت ابی نے عرض کی: اے امیر المومنین! آپ ان میں سے نہیں ہے۔ آپ تو معلم اور

1۔ جامع ترمذی، باب مناقب زید بن حارثہ، حدیث نمبر 3749، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سیدھا کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کی ایک بچی دیکھی اسے مارا اور اس نے جو زینت کی ہوئی تھی اس کو ناپسند کیا تو اس کے گھر والے نکل آئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زبانی اذیت دی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت علی شیر خدا کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ منافق انہیں اذیت دیتے اور ان کی تکذیب کیا کرتے تھے (1)۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

"اے نبی مکرم! آپ فرمایئے اپنی ازواج مطہرات کو، اپنی صاحبزادیوں کو اور جملہ اہل ایمان کی عورتوں کو کہ جب وہ باہر نکلیں، تو ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو اس طرح وہ با آسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے"۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی ایک فضیلت کے بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ قتادہ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں نو ازواج تھیں۔ پانچ قریش کے خاندان سے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت سودہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن۔ تین عام عربوں میں سے تھیں حضرت میمونہ، حضرت زینب بنت جحش اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن اور ایک حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا تعلق ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں مذکر اور مونث بھی تھے۔ مذکر اولاد میں سے حضرت قاسم، ان کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں۔ آپ کے نام سے ہی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے سب سے پہلے یہی فوت ہوئے۔ آپ دو سال تک زندہ رہے۔ حضرت عروہ نے کہا: حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بیٹے ہوئے: حضرت قاسم، حضرت طاہر، حضرت عبد اللہ اور حضرت طیب۔ ابو بکر برقی نے کہا: یہ قول بھی کیا جاتا ہے طاہر سے مراد طیب ہیں اور وہی عبد اللہ ہیں۔ حضرت ابراہیم ان کی والدہ ماجدہ حضرت ماریہ قبطیہ تھیں۔ حضرت ابراہیم کی ولادت آٹھ ہجری ذی الحجہ میں ہوئی۔ یہ سولہ ماہ کے تھے تو ان کا وصال ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کی عمر اٹھارہ ماہ تھی (2)؛ دار قطنی نے اسے ذکر کیا ہے۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان کی دودھ پلانے والی تھی جو ان کی رضاعت جنت میں پوری کرے گی"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وصال کر گئی صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باقی تھیں۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں بچیوں کا تعلق ہے ان میں حضرت فاطمہ زہرہ بنت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت خدیجہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 423

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، ماجاء فی الصلوٰۃ علی ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ 110

الکبری کے ہاں ان کی ولادت ہوئی جب قریش بیت اللہ شریف کی تعمیر کر رہے تھے یعنی اعلان نبوت سے پانچ سال قبل ان کی ولادت ہوئی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے 2 ھ میں رمضان میں ان سے شادی کی اور ذی الحجہ میں انہیں گھر لائے۔ ایک قول یہ کیا گیا: رجب میں ان سے شادی کی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تھوڑا عرصہ بعد ان کا وصال ہوا اہل بیت میں سے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لاحق ہونے والی تھیں۔

ان میں حضرت زینب تھیں جن کی والدہ حضرت خدیجہ الکبری تھیں۔ ان سے ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع نے شادی کی۔ عاص کی ماں ہالہ بنت خویلد تھیں جو حضرت خدیجہ الکبری کی ہمشیرہ تھیں۔ ابو العاص کا نام لقیط تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام ہاشم تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام ہشیم تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام مقسم تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی تھیں ان کا وصال 8 ھ میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں خود اترے۔

ان میں حضرت رقیہ بھی تھیں۔ ان کی والدہ ماجدہ بھی حضرت خدیجہ الکبری تھیں۔ اعلان نبوت سے قبل عتبہ بن ابی لہب سے ان کی نسبت ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کو نازل فرمایا: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ (الہب: 1) ابولہب نے اپنے بیٹے سے کہا: اگر تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا سر تیرے سر پر حرام ہے۔ عتبہ نے حضرت رقیہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور وہ آپ کو اپنے گھر نہیں لایا تھا۔ حضرت رقیہ اس وقت اسلام لے آئی تھیں جب ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبری اسلام لائی تھیں۔ حضرت رقیہ اور ان کی بہنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس وقت بیعت کی جب عورتوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حضرت عثمان بن عفان نے ان سے شادی کی۔ جب حضرت عثمان نے ان سے شادی کی تو قریش کی عورتیں کہتی تھیں:

أحسنُ شخصين رأى انسانٌ رقيةٌ و بعلها عثمانُ

دو ذاتوں میں سے بہترین جسے کوئی انسان دیکھے وہ حضرت رقیہ ہیں اور ان کے خاوند حضرت عثمان ہیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان کے ساتھ حبشہ کے علاقہ کی جانب دو ہجرتیں کیں۔ حضرت عثمان سے ان کا ایک نامکمل بچہ پیدا ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد حضرت عبداللہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حالت اسلام میں ان کے نام سے اپنی کنیت ذکر کرتے۔ ان کی عمر چھ سال ہوئی تو مرغ نے ان کے چہرے پر چونچ ماری تو ان کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد ان کے ہاں کوئی ولادت نہ ہوئی۔ انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، بیمار ہوئیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کی تیاری کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کی خدمت کے لیے انہیں پیچھے چھوڑا ان کا وصال ہو گیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تھے۔ ہجرت کو سترہ ماہ گزر چکے تھے۔ حضرت زید بن حارثہ بدر سے خوشخبری دینے کے لیے آئے یہ مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچے جب حضرت رقیہ کی قبر پر مٹی درست کی جا رہی تھی۔ ان کے دفن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے۔

ان میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی تھیں، ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ تھیں عتیبہ بن ابی لہب کی ان سے نسبت ہوئی جو عتبہ کا بھائی تھا یہ اعلان نبوت سے قبل ہوا۔ اس کو ابولہب نے حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو چھوڑ دے، جس مذکورہ

سبب سے جس کی وجہ سے حضرت رقیہ کو عتبہ نے چھوڑا تھا۔ عتیبہ انہیں اپنے گھر نہیں لے گیا تھا یہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رہیں۔ جب ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبری ایمان لائیں تو یہ بھی ایمان لے آئیں۔ جب عورتوں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو اپنی بہنوں کے ساتھ انہوں نے بھی بیعت کی۔ جب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو انہوں نے بھی ہجرت کی۔

جب حضرت رقیہ کا وصال ہوا تو حضرت عثمان نے ان سے شادی کی۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان کا لقب ذوالنورین ہے یہ نو ہجری کو شعبان کے مہینہ میں فوت ہوئیں۔ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر پر بیٹھے۔ ان کی قبر میں حضرت علی، حضرت فضل اور حضرت اسامہ اترے۔ زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے بیٹے حضرت قاسم پھر حضرت زینب پھر حضرت عبدالله انہیں ہی طیب اور طاہر کہا جاتا تھا۔ یہ اعلان نبوت (☆) کے بعد پیدا ہوئے اور چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ پھر حضرت ام کلثوم، پھر حضرت فاطمہ پھر حضرت رقیہ، حضرت قاسم مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے پھر حضرت عبدالله فوت ہوئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ عربی عورتوں کا معمول تھا کہ وہ وقار سے گری ہوئی حرکتیں کرتیں وہ اپنے چہرے کو کھلا رکھتیں جس طرح لونڈیاں کھلا رکھتی ہیں۔ یہ اس امر کا سبب تھا کہ مرد انہیں دیکھیں اور ان کے بارے میں فکر پراگندہ ہو جائے۔ الله تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان عورتوں کو حکم دیں کہ وہ اپنی چادروں کے پلو لٹکا کر رکھیں جب وہ اپنی ضروریات کے لیے نکلنے کا ارادہ کریں۔ لیٹرینیں بنائے جانے سے قبل وہ صحراء میں قضائے حاجت کے لیے جایا کرتی تھیں۔ اس طرح آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے درمیان فرق ہو جاتا۔ آزاد عورتیں اپنے پردہ کی وجہ سے پہچان لی جاتی تھیں تو جو آوارہ یا نوجوان ہوتا وہ ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے سے رک جاتا۔ مومنوں کی عورتوں میں سے کوئی ایک اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اپنی ضرورت کے لیے نکلتی بعض فجار ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے وہ یہ خیال کرتے کہ یہ لونڈیاں ہیں وہ عورت اس پر چلاتی تو وہ چلے جاتے۔ لوگوں نے اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ یہ آیت اس سبب سے نازل ہوئی؛ یہ معنی حسن بصری اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ، جلابیب، جلباب کی جمع ہے۔ یہ اوڑھنی سے بڑا کپڑا ہوتا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: اس سے مراد روا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قناع ہے (جس سے سر ڈھانپا جاتا ہے)۔ صحیح قول یہ ہے کہ جلباب سے مراد ایسا کپڑا ہے جس کے ساتھ سارا بدن ڈھانپا جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے عرض کی: یا رسول الله! ہم میں سے کچھ عورتوں کے پاس جلباب نہیں ہوتا۔ فرمایا: ''اس کی بہن اسے اپنا جلباب (چادر) دے دے'' (3)۔

☆۔ حضرت مفسر کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ بیٹیوں کے حوالے سے جو گفتگو پہلے کی ہے وہ اس کے سراسر خلاف ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 399

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 423

3۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ العیدین، ذکر اباحۃ خروج النساء فی العیدین، جلد 1، صفحہ 291

مسئلہ نمبر 4۔ چادر کے لٹکانے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ سلمانی نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ عورت اسے یوں لپیٹ لے کہ عورت کی صرف ایک آنکھ دکھائی دے جس کے ساتھ وہ دیکھے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ پیشانی کے اوپر اسے لپیٹے اور اسے باندھ دے پھر اسے اپنے ناک پر جھکا دے اگرچہ اس کی آنکھیں ظاہر ہوں، وہ سینہ اور چہرے کا اکثر حصہ چھپا کر رکھے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اپنے نصف چہرے کو ڈھانپ کر رکھے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ نے تمام عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا پردہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس کی جلد کو عیاں نہ کرے ہاں جب وہ اپنے خاوند کے پاس ہو تو جو چاہے لباس پہنے، کیونکہ مرد کو حق حاصل ہے کہ جیسے چاہے لطف اندوز ہو۔ یہ امر ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات بیدار ہوئے تو کہا: سبحان اللہ سبحان اللہ ماذا انزل اللیلۃ من الفتن و ماذا فتح من الخزائن من یوقظ صواحب الحجر رُبّ کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ''۔ سبحان اللہ آج رات کتنے فتنے نازل ہوئے اور آج رات کتنے خزانے کھولے گئے آج حجرے والوں کو کون بیدار کرے گا دنیا میں کچھ لباس زیب تن کرنے والے آخرت میں ننگے ہوں گے۔ یہ روایت کی گئی ہے کہ حضرت دحیہ کلبی جب ہرقل کے پاس سے واپس آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کتان سے بنا کپڑا عطا فرمایا۔ فرمایا: ''اس کے نصف سے قمیص بنالو اور اپنی بیوی کو نصف دے دو وہ اس سے اوڑھنی بنالے'' (3)۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''اپنی بیوی کو حکم دینا کہ وہ اس کے نیچے کوئی چیز لگا لے تا کہ یہ کپڑا اس کے جسم کی بناوٹ کو ظاہر نہ کرے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے لیے باریک کپڑوں کا ذکر کیا تو فرمایا: لباس پہننے والیاں، ننگے بدن والیاں اور خوشحال عورتیں بدبخت عورتیں۔ بنو تمیم کی عورتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں جن پر باریک لباس تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر تم مومن ہو تو یہ لباس مومن عورتوں کا نہیں اگر تم غیر مومن ہو تو تم اس سے لطف اندوز ہولو۔ ایک دلہن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اس پر کتان سے بنی اوڑھنی تھی جس کو عصفر سے رنگا گیا تھا۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ نے اسے دیکھا تو فرمایا: تو سورۂ نور پر ایمان نہیں رکھتی۔ ایک عورت یہ لباس پہنتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے: ''ایسی عورتیں جو لباس پہنتی ہیں ان کے جسم ننگے ہوتے ہیں وہ جھکنے والی ہوتی ہیں جھکانے والی ہیں ان کے سر بختی اونٹوں کی کہانوں کی طرح ہوتے ہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی'' (4)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مسلمان عورتوں کو کیا چیز روکتی ہے جب اسے کام ہو تو وہ بوسیدہ کپڑے میں نکلے یا اپنی پڑوسن کے بوسیدہ کپڑوں میں نکلے وہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے ہوئے ہو اسے کوئی بھی نہ جانے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر واپس آجائے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 399 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 399

3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، الترغیب فی لبن تکشف بیابہا، جلد 2، صفحہ 234

4۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، الکیاسات العاریات، جلد 2، صفحہ 205

مسئلہ نمبر 6۔ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ یہ زیادہ مناسب ہے کہ آزاد عورتیں پہچانی جائیں تاکہ وہ لونڈیوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہوں۔ جب ان کو پہچان لیا جائے گا تو ادنیٰ تعرض کے لیے ان کے سامنے نہ آیا جائے گا یہ ان کے مرتبہ حریت کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے ہوگا۔ تو ان سے ہر قسم کی طمع ختم ہو جائے گی۔ ان تعرف المراۃ کا معنی یہ نہیں کہ یہ جانا جائے کہ وہ کون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی لونڈی کو دیکھتے کہ اس نے پردہ کیا ہوا ہے تو اسے درہ سے مارتے اصل میں آپ آزاد عورتوں کے لباس کی حفاظت کے لیے ایسا کرتے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اب ہر آزاد اور لونڈی کے حق میں پردہ اور سر کا ڈھانپنا واجب ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عورتوں کو مسجدوں سے روک دیا تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا: ''اللہ کی باندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مساجد سے نہ روکو'' (1)۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اس وقت تک زندہ رہتے تو آپ عورتوں کو مساجد میں داخل ہونے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں سے روک دیا تھا۔

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اس امر شروع سے قبل عورتیں جو جلابیب کو ترک کرتی رہیں ان کے بارے میں عورتوں کو مانوس کیا جا رہا ہے۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۰ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝۶۱ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۶۲

''اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے تو ہم آپ کو مسلط کر دیں گے ان پر پھر وہ ٹھہر نہ سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر چند روز وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی، جہاں پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے۔ اللہ کی سنت ان (بدقماشوں) کے متعلق بھی یہی تھی جو پہلے گزر چکے اور آپ سنت الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ اہل تفسیر نے کہا: یہ تین اوصاف ایک شے کے ہیں۔ جس طرح سفیان بن سعید نے منصور سے وہ حضرت ابو رزین سے روایت نقل کرتے ہیں کہ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، ھل علی من لم یشھد الجمعۃ، جلد 1، صفحہ 123

فِي الْمَدِيْنَةِ سب ایک چیز ہیں یعنی انہوں نے ان اشیاء کو جمع کیا۔ واؤ زائدہ ہے۔ جس طرح کہا:

إلى الملك القَرْم وابن الهمام وليثِ الكتيبة فى المُزدحم

ملک، قرم، ابن ہمام، لیث الکتیبۃ سے ایک ہی ذات مراد ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں ایسے لوگ تھے جو افواہیں اڑایا کرتے تھے، کچھ لوگ ایسے تھے جو شک کی بنا پر عورتوں کا پیچھا کیا کرتے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو مسلمانوں میں شک ڈالا کرتے تھے۔ عکرمہ اور شہر بن حوشب نے کہا: الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے مراد ہے جن کے دلوں میں بدکاری کا میلان ہے۔

طاؤس نے کہا: یہ آیت عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ سلمہ بن کہیل نے کہا: یہ بدکاروں کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الْمُنٰفِقُوْنَ اور الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ایک ہی چیز ہیں۔ انہیں الفاظ سے تعبیر کیا۔ اس کی دلیل سورۂ بقرہ کے آغاز میں منافقین والی آیت ہے۔

الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ سے مراد ایسے لوگ ہیں جو مومنوں کو دشمنوں کے بارے میں بری خبریں دیا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے لشکر باہر جاتے تو وہ کہتے: انہیں شہید کر دیا گیا ہے یا انہیں شکست ہوگئی ہے اور دشمن تم تک پہنچا چاہتا ہے: یہ قتادہ اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کہا کرتے تھے اصحاب صفہ ایسے لوگ ہیں جن کی بیویاں نہیں، یہی لوگ عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت تھی جو فتنہ کو پسند کرنے کی بنا پر جھوٹی خبریں پھیلایا کرتے تھے۔ بہتان لگانے والوں میں سے مسلمان لوگ بھی تھے لیکن وہ فتنہ کو پسند کرنے کی بنا پر اس میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ارجاف سے مراد فتنہ کو تلاش کرنا ہے (2)۔ ارجاف سے مراد غم میں مبتلا کرنے کے لیے جھوٹ اور باطل کو عام کرنا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دل کو حرکت دینا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: رجفت الأرض فرجف رجفا زمین میں حرکت ہوئی اور اس میں زلزلہ برپا ہوا۔ رجفان سے مراد شدید اضطراب ہے۔ رجاف سے مراد سمندر ہے، سمندر کے مضطرب ہونے کی بنا پر اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ شاعر نے کہا:

المُطعِمون اللحم كلّ عشيّة حتى تَغيب الشمسُ فى الرَّجاف

وہ ہر شام گوشت کھلاتے ہیں یہاں تک کہ سورج سمندر میں غائب ہو جاتا ہے۔

ارجاف کی جمع اراجیف ہے اس کا معنی خبریں ہیں۔ قد أرجفوا فى الشیء وہ اس میں داخل ہوئے۔ شاعر نے کہا:

فإنا وإن عيرتمونا بقتله وأرجف بالإسلام باغٍ و حاسدُ

اگر تم ہمیں ان کے قتل پر عار دلاتے ہو اسلام میں باغی اور حاسد داخل ہو گیا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 424 2۔ ایضاً

ایک اور شاعر نے کہا:

أبالأراجيف يا بن اللؤم توعدني   وفي الأراجيف خلت اللؤم والخور

اے کمینے! کیا تو مجھے اراجیف کی دھمکی دیتا ہے اور تو نے گمان کیا کہ اراجیف میں ملامت اور ذلت ہے۔

ارجاف حرام ہے کیونکہ اس میں اذیت ہوتی ہے۔ آیت اس امر پر دال ہے کہ ارجاف کے ذریعے اذیت دینا حرام ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ہم تجھے ان پر مسلط کر دیں گے تو آپ قتل کے ذریعے ان کی جڑیں کاٹ دیں گے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ عورتوں کو اذیت دینے سے نہ رکے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر تسلط عطا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ (التوبہ: 84) اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کرنے کا حکم دیا۔ یہی وہ اغراء ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر اس آیت میں جو اس آیت کے بعد ہے تسلط عطا فرمایا جبکہ کلام اس کے ساتھ متصل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: أَيْنَمَا ثُقِفُوٓا۟ أُخِذُوا۟ وَقُتِّلُوا۟ تَقْتِيلًا ۝ اس آیت میں ان کو قتل کرنے اور ان کو پکڑنے کا امر ہے جب وہ نفاق اور ارجاف پر قائم رہیں تو یہ ان کا حکم ہے۔

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: خمس يقتلن في الحل والحرم (2) پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو حل اور حرم میں قتل کیا جائے گا۔ اس میں امر کا معنی ہے یہ حدیث آیت کی طرح حکم میں برابر ہے۔ نحاس نے کہا: اس آیت کی تعبیر میں جو اقوال کیے جاتے ہیں ان میں سے یہ سب سے خوبصورت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ارجاف سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آپ کو تسلط عطا نہ کیا۔ لنغرینک کا لام لام قسم ہے، قسم اسی پر واقع ہو رہی ہے۔ ان پر لام داخل کیا گیا تاکہ قسم کا شعور دلائے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَآ، ھا ضمیر سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ إِلَّا قَلِيلًا یہ یجاورونک کی ضمیر سے حال ہے۔ اور اس طرح ہوگا جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کیونکہ وہ تھوڑے ہی تھے۔ یہ فراء کے دو جوابوں میں سے ایک جواب ہے۔ اس کے نزدیک یہی اولیٰ ہے۔ وہ آپ کے پاس نہیں رہتے مگر اپنے قلیل ہونے کی حالت میں۔ دوسرا جواب ہے معنی ہو الا وقتا قلیلا مگر تھوڑا وقت، یعنی تیرے ساتھ تھوڑا وقت ہی رہیں گے، یعنی وہ اس میں تھوڑا عرصہ رہیں گے یہاں تک کہ ہلاک ہو جائیں گے۔ تو یہ محذوف مصدر یا محذوف ظرف کی صفت ہوگا۔ یہ اس پر دال ہے کہ جو مدینہ طیبہ میں آپ کے ساتھ رہ رہا ہے تو وہ ''جار'' ہے۔ سورۃ النساء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ مَّلْعُونِينَ محمد بن یزید کے ہاں اس پر کلام مکمل ہوتی ہے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ابن انباری نے کہا: قَلِيلًا ۝ مَّلْعُونِينَ اس پر وقف کرنا اچھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کہ إِلَّا قَلِيلًا پر کلام مکمل ہو اور مَّلْعُونِينَ کو نصب شتم (گالی) کے طور پر ہو۔ جس طرح عیسیٰ بن عمر نے قراءت کی ہے۔ وَامْرَأَتُهُۥ حَمَّالَةَ

1۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 737

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یندب للمحرم وغیرہ، جلد 1، صفحہ 381

الْحَطَبِ ۝ (لہب) ایک نحوی سے یہ مروی ہے اس نے کہا: معنی ہے جہاں بھی ہوں گے ملعون ہونے کی حیثیت میں پکڑے جائیں گے یہ غلط ہے کیونکہ ما مجازات کا معنی رکھتے ہوئے ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت کا معنی ہے اگر وہ نفاق پر اصرار کریں تو انہیں مدینہ میں ٹھہرنے کا کوئی حق نہیں اگر وہ رہیں گے تو دھتکارے ہوئے ملعون رہیں گے۔ ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا، کیونکہ جب سورۂ براءت نازل ہوئی تو وہ جمع ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے فلاں! اٹھ اور نکل جا کیونکہ تو منافق ہے، اے فلاں اٹھ'' ان کے مسلمان بھائی اٹھے اور مسجد سے انہیں نکالنے کے ذمہ دار بنے۔

مسئلہ نمبر 5۔ سُنَّةَ اللّٰهِ یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو انبیاء کے بارے میں غلط باتیں عام کرے اور اپنے نفاق کو ظاہر کرے کہ اسے پکڑ لیا جائے اور اسے قتل کر دیا جائے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا تو اللہ تعالیٰ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا (1)؛ نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ سدی نے کہا: جس کو حق کی بنا پر قتل کیا گیا تو اس کے قاتل پر کوئی دیت لازم نہ ہوگی (2)۔ مہدوی نے کہا: آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ وعید کے نفاذ کو ترک کرنا جائز ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ منافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اہل فضل میں معروف یہ ہے کہ وعدہ کو پورا کیا جائے اور وعید کو موخر کر دیا جائے۔ یہ بحث سورۂ آل عمران وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۗ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝۶۳

''لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں، فرمائیے: اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اور اے سائل! تو کیا جانے شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو''۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے والوں کو جب عذاب کی دھمکی دی گئی تو انہوں نے قیامت کے بارے میں سوال کیا، ان کے سوال کا مقصود اس امر کو بعید خیال کرنا اور اس کو جھٹلانا تھا، وہ یہ وہم دلانا چاہتے تھے کہ یہ امر وقوع پذیر نہیں ہوگا۔

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ان کے سوال کا جواب دیجئے اور کہہ دیجئے: اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے وقت کو مخفی رکھا ہے تو یہ میری نبوت کو باطل کرنے والا نہیں اور نبی ہونے کی یہ شرط نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر غیب جانے۔ وَمَا يُدْرِيْكَ کس نے آپ کو آگاہ کیا لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ممکن ہے قیامت قریب ہی زمانہ میں ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بعثت أنا والساعة كهاتين (3) میں اور قیامت ان دو کی طرح مبعوث کیے گئے ہیں اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ اہل صحیح نے اسے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ترکیب یوں ہے لیست الساعة تكون قريبا اس کی ہاء تانیث حذف ہوگئی کہ الساعة کو یوم کی طرف لے جایا گیا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 425 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، ما جاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 44

جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾ (الاعراف) قریبۃ نہیں فرمایا کیونکہ رحمت کو عفو کی طرف پھیر دیا گیا ہے، کیونکہ اس کی تانیث اصلی نہیں۔ یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے وقت کو مخفی رکھا تا کہ بندہ ہر وقت اس کے لیے مستعد رہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَعَنَ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ سَعِیۡرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ۚ لَا یَجِدُوۡنَ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیۡرًا ﴿۶۵﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے محروم کر دیا کفار کو اور تیار کر رکھی ہے اس نے ان کے لیے بھڑکتی آگ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں تا ابد نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار''۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دھتکار دیا اور انہیں دور کر دیا۔ لعن کا معنی دھتکارنا اور رحمت سے دور کرنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ فِیۡہَاۤ میں ھا ضمیر سعیرا کے لیے ہے سعیر کو مونث قرار دیا کیونکہ یہ النار کے معنی میں ہے وہ کوئی ایسا مددگار نہیں پائے گا جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس میں ہمیشہ رہنے سے نجات عطا فرمائے۔

یَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡہُہُمۡ فِی النَّارِ یَقُوۡلُوۡنَ یٰلَیۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰہَ وَ اَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا ﴿۶۶﴾ وَ قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِیۡلَا ﴿۶۷﴾

''جس روز منہ کے بل آگ میں پھینکے جائیں گے تو (بصد یاس) کہیں گے: اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم کی۔ اور عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے''۔

یَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡہُہُمۡ فِی النَّارِ عام قراءت تاء کے ضمہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے اور فعل مجہول ہے۔ عیسیٰ ہمدانی اور ابن اسحاق نے نقلب نون اور لام مکسور کے ساتھ قراءت کی ہے۔

وُجُوۡہُہُمۡ منصوب ہے۔ عیسیٰ نے یہ قراءت کی ہے۔ تقلب تاء مضموم اور لام مکسور ہے معنی یہ ہے جہنم ان کے چہروں کو الٹ دے گی۔ یہ الٹنا آگ کی لپک کے ساتھ ان کے رنگوں کو بدل دینا ہے۔ کسی لحہ وہ سیاہ ہو جائیں گے اور کسی لحہ سبز ہو جائیں گے۔ جب ان کی جلدوں کو دوسری جلدوں سے بدل دیا جائے گا تو وہ اس وقت تمنا کریں گے کہ وہ کفر نہ کرتے۔

یَقُوۡلُوۡنَ یٰلَیۡتَنَاۤ یہ جائز ہے کہ معنی ہو جس روز ان کے چہرے آگ میں الٹے جائیں گے تو اس روز کہیں گے: ہائے کاش!۔ اَطَعۡنَا اللّٰہَ وَ اَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا یہ کفر نہ کرتے تو ہم اس عذاب سے نجات پا جاتے جس طرح مومن نجات پا گئے۔ یہ الف فواصل میں واقع ہوتا ہے اس پر وقف کیا جاتا ہے اور وصل نہیں کیا جاتا اسی طرح السبیلا ہے۔ سورت کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

حضرت حسن بصری نے اس کی قراءت کی انا اطعنا سادا تنا یعنی تاء کے نیچے کسرہ پڑھا ہے۔ یہ سادۃ کی جمع ہے۔ اس آیت میں تقلید سے جھڑک ہے۔ سادۃ یہ سید کی جمع ہے۔ یہ فعلۃ کا وزن ہے، جس طرح کتبۃ، فجرۃ، ساداتنا یہ جمع کی

جمع ہے۔ سادۃ اور کبراء دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ سردار ہیں جو غزوۂ بدر کے موقع پر مشرک فوج کو کھانا کھلایا کرتے تھے (1)۔ اظہر یہ ہے کہ یہاں شرک اور ضلالت میں جو قائدین اور سردار ہیں ان کو یہ لفظ عام ہے، یعنی ہم نے تیری نافرمانی کر کے ان کی اطاعت کی اور جس امر کی طرف بھی انہوں نے ہمیں دعوت دی ہم نے ان کی پیروی کی۔ فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا انہوں نے ہمیں السبیل یعنی توحید سے گمراہ کر دیا۔ جب جار کو حذف کر دیا گیا اور فعل کے ساتھ السبیل کو ملا دیا گیا تو اس پر نصب آئی، اضلال کا لفظ حرف جار کے واسطہ کے بغیر دو مفعولوں کی طرف متعدی نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ (الفرقان: 29)

رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾

"اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر بہت بڑی لعنت"۔

رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ قتادہ نے کہا: مراد عذاب دنیا اور عذاب آخرت ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفر کا عذاب اور گمراہ کرنے کا عذاب ہے (3)، یعنی جس قدر تو ہمیں عذاب دیتا ہے انہیں اس کا دوگنا عذاب دے کیونکہ وہ گمراہ ہوئے اور انہوں نے گمراہ کیا۔ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ کے اصحاب، یحییٰ اور عاصم نے باء کے ساتھ قراءت کی باقی قراء نے ثاء کے ساتھ قراءت کی۔ اسے ابو حاتم، ابو عبید اور نحاس نے اپنایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿﴾ (البقرہ) یہ معنی اکثر واقع ہوتا ہے۔

محمد بن ابی السری نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں عسقلان کی مسجد میں ہوں گویا ایک آدمی مجھ سے اس آدمی کے بارے میں مناظرہ کر رہا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بغض رکھتا ہے۔ اس نے کہا: وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا اس نے یہ بات بار بار مجھ سے کی پھر وہ غائب ہو گیا۔ وہ اسے ثاء کے ساتھ ہی کہتا۔ باء کی قراءت ثاء کے معنی کی طرف ہی راجع ہے، کیونکہ جو چیز بڑی ہوتی ہے وہ کثیر اور عظیم قدر والی ہوتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾

"اے ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ستایا پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے جو انہوں نے کہا اور آپ لوگوں کے نزدیک بڑے شان والے تھے"۔

جب اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور کفار کا ذکر کیا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کو اذیت دی مقصود مومنوں کو ایسی چیزوں سے خبردار کرنا تھا جو اذیت کا باعث ہوتی ہیں اور بنی اسرائیل کے ساتھ مشابہت سے مومنوں کو منع کیا جنہوں نے اپنے نبی

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 226　　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 426　　3۔ ایضاً

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تھی۔ علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح اذیت دیتے تھے؟ نقاش نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو ان کی اذیت یہ تھی کہ وہ یہ قول کرتے تھے: زید بن محمد۔ ابو وائل نے کہا: حضور ﷺ کو اذیت یہ دی گئی کہ حضور ﷺ نے مال تقسیم کیا تو ایک انصاری نے کہا: یہ ایسی تقسیم ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کے لیے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ ناراض ہوئے۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ اذیت دی گئی تو انہوں نے صبر کیا'' (1)۔

جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دینے کا تعلق ہے تو حضرت ابن عباس اور ایک جماعت نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جسے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بنو اسرائیل ننگے غسل کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پردہ کا بہت زیادہ اہتمام کرتے اور اپنے بدن کو چھپاتے۔ کچھ لوگوں نے کہا: ان کے خصتین سوج ہوئے ہیں، انہیں برص کا مرض ہے یا کوئی اور آفت ہے ایک روز آپ شام کے علاقہ میں ایک چشمہ پر غسل کرنے کے لیے گئے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے وہ پتھر آپ کے کپڑوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے لباس اس کے پیچھے دوڑے آپ کہتے: اے پتھر! میرے کپڑے اے پتھر میرے کپڑے یہاں تک کہ وہ پتھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں جا پہنچا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جب کہ آپ بناوٹ میں خوبصورت ترین اور سب سے معتدل صورت پر تھے۔ آپ میں ایسا عارضہ نہیں تھا جس کا انہوں نے تذکرہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا کا یہی مفہوم ہے''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔ ''بنو اسرائیل ننگے غسل کیا کرتے تھے وہ ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھا کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام الگ تھلگ غسل کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی چیز نہیں روکتی کہ ہمارے ساتھ غسل کریں مگر یہ کہ ان کو ادرہ (خصیتین کا سوج جانا) کی بیماری ہے۔ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کرنے کے لیے گئے آپ نے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے تیزی سے دوڑے آپ کہتے: اے پتھر! میرے کپڑے، اے پتھر! میرے کپڑے، یہاں تک کہ بنو اسرائیل نے آپ کی شرمگاہ کو دیکھ لیا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی بیماری نہیں۔ پتھر ٹھہر گیا یہاں تک آپ کو دیکھ لیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لے لیے اور پتھر کو مارنے لگے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے پتھر میں چھ یا سات نشان تھے۔ یہ ایک قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہا: بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی کہ انہوں نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے (2)۔ وہ واقعہ یوں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، قول اللہ تعالیٰ وصل علیہم، جلد 2، صفحہ 938
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 401

ظاہر ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام تیہ کے زرعی علاقہ سے پہاڑی علاقہ کی طرف نکلے حضرت ہارون علیہ السلام وہاں ہی فوت ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ نے اسے قتل کر دیا ہے۔ وہ آپ کی بنسبت ہمارے لیے نرم اور زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ اس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت ہارون کی لاش کو ان پر گھمائیں۔ انہوں نے ایک عظیم نشانی دیکھی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر ان کی راہنمائی کی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی لاش میں قتل کی کوئی علامت نہ تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا: فرشتوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی موت کے بارے میں کلام کی ان کی قبر کی جگہ کو رخم (گدھ) کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ نے اسے بہرہ اور گونگا بنا دیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تیہ میں فوت ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تیہ کا عرصہ گزرنے سے دو ماہ پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔

قشیری نے حضرت علی شیر خدا سے روایت نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو زندہ کیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں خبر دی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں قتل نہیں کیا۔ پھر وہ فوت ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اذیت یہ تھی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادو اور جنون کا الزام لگایا (1)۔ صحیح پہلا قول ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ سب کام کیے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سب امور سے بری کیا۔

مسئلہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پر کپڑے رکھنا اور پانی میں ننگے داخل ہونے میں اس امر کے جائز ہونے کی دلیل ہے: یہ جمہور کا مذہب ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے اس سے منع کیا ہے اور ایسی حدیث سے استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں۔ وہ یہ ارشاد ہے: "پانی میں داخل نہ ہو مگر تہبند کے ساتھ کیونکہ پانی میں بھی رہنے والا ہوتا ہے"۔ قاضی عیاض نے کہا: یہ اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں: پردہ کرنا مستحب ہے کیونکہ اسرائیل عبدالاعلیٰ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما ایک جوہڑ میں داخل ہوئے جب کہ آپ کے جسم پر چادر تھی جس کو آپ لپیٹے ہوئے تھے۔ جب آپ باہر نکلے تو ان سے اس بارے میں عرض کی گئی، فرمایا: میں نے اس سے پردہ کیا ہے جو مجھے دیکھتا ہے اور میں اسے نہیں دیکھتا، یعنی اپنے رب اور فرشتوں سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو ایسی نداکیوں کی جو ذوالعقول کو ندا کی جاتی ہے؟ ایک جواب یہ دیا جاتا ہے: پتھر سے ایسا عمل صادر ہوا تھا جو ذوی العقول سے صادر ہوتا ہے۔

حجر یہ منادی مفرد ہے جس کا حرف ندا محذوف ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (یوسف: 29) ثوبی فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے اعطنی ثوبی، اترک ثوبی فعل کو حذف کر دیا گیا کیونکہ حال اس پر دلالت کرتا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 226

وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا، وجیہ سے مراد عظیم ہے۔ عربوں کے ہاں وجیہ سے مراد وہ ہوتا ہے جو عظیم قدر والا اور بلند مقام والا ہوتا ہے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرما دیتے۔ حضرت ابن مسعود نے یہ قراءت کی وکان عبداللہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَجِيْهًا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا۔

ابو بکر انباری نے کتاب الرد میں کہا: جنہوں نے قرآن میں طعن کیا ہے انہوں نے کہا: مسلمان نے قرآن میں تصحیف کی وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا جب کہ صحیح یہ ہے وکان عبداللہ وجیها یہ چیز اس کے مقصد کے ضعف، فہم کے نقصان اور قلت علم پر دال ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت کو اگر اس کے قول پر محمول کیا جائے اور اسے پڑھا جائے: وکان عبدا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ثنا میں نقص واقع ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وَجِيْهًا اہل دنیا، اس کے اہل زمان اور اہل آخرت کے ہاں ذیشان ہوتا ہے۔ یہ مکاں مدح پر آگاہ نہ کرے گا، کیونکہ اگر وہ دنیا کے لوگوں کے ہاں ذیشان ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثنا واضح نہیں ہوتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے مدح کے محل کو اپنے اس ارشاد کے ساتھ واضح کیا: وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا آپ شرف اور عظیم رفعت کے مستحق ہوئے کیونکہ ان کی وجاہت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ جس نے ایک لفظ میں تبدیلی کی اس نے اللہ تعالیٰ کے نبی سے سب سے قابل فخر ثنا اور سب سے عظیم مدح کو دور کر دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی (اور درست) بات کہا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہ ہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی"۔

قَوْلًا سَدِيْدًا یعنی ایسا قول جو اعتدال پر ہو اور حق ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: درست۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا: حضرت زینب اور حضرت زید کے بارے میں درست قول کرو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب نہ کرو جو حلال نہ ہو۔ عکرمہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قول سدید، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کا ظاہر اس کے باطن کے موافق ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا گیا ہو اس کے علاوہ کا ارادہ نہ کیا گیا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دو جھگڑنے والوں کے درمیان اصلاح کی کوشش کرنا ہے۔ یہ تسدید السهم (1) سے ماخوذ ہے تاکہ اس کے ساتھ ٹارگٹ پر تیر مارا جائے۔ قول سداد تمام بھلائیوں کو عام ہے، جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اسے اور غیر کو عام ہے۔

آیت کا ظاہر یہ معنی دیتا ہے کہ اشارہ اس قول کی طرف ہے جو اس اذیت کے خلاف ہو جو اذیت کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 428

کے متعلق ہو اور مومنین کے متعلق ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ وہ قول سدید پر اعمال کو درست کر کے اور گناہوں کو بخش کر جزا دے گا۔ تیرے لیے درجہ اور رفعت منزلت کے اعتبار سے یہ کافی ہے۔

جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ان امور میں اطاعت کی جن کا اسے حکم دیا گیا اور جن سے اسے منع کیا گیا تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ یَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

''ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے، بے شک یہ ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں اور شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور نگاہ لطف و کرم فرمائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں احکام کو بیان کیا جن احکام کو بھی بیان کیا تو اوامر کے التزام کا حکم دیا۔ امانت صحیح قول کے مطابق دین کے تمام فرائض کو عام ہے؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ ترمذی حکیم ابو عبداللہ نے اسماعیل بن نصر سے وہ صالح بن عبداللہ سے وہ محمد بن یزید بن جوہر سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: اے آدم! میں نے آسمانوں اور زمین پر امانت کو پیش کیا تو وہ اس کو نہ اٹھا سکے کیا تو اس کو اٹھا سکتا ہے جو کچھ اس میں ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اس میں کیا ہے؟ فرمایا: اگر تو نے اس کو اٹھا لیا تو تمہیں اجر دیا جائے گا اور اگر تو نے ضائع کر دیا تو تجھے عذاب دیا جائے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے اٹھا لیا اس چیز کے ساتھ جو اس میں ہے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام جنت میں اتنے عرصہ ہی ٹھہرے جتنا عرصہ پہلی نماز سے لے کر عصر کی نماز کا وقت ہوتا ہے، یہاں تک کہ شیطان نے آپ کو جنت سے نکال دیا'' (1)۔

امانت سے مراد وہ فرائض ہیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جن پر امین بنایا۔ ان میں سے بعض کی تفاصیل اقوال ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اموال کی امانتیں ہیں جس طرح ودیعت وغیرہ (2)۔ ان میں یہ بھی روایت مروی ہے کہ یہ تمام فرائض ہیں ان میں سے شدید ترین مال کی امانت ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: یہ بھی امانت میں سے ہے کہ عورت اپنی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 402
2۔ ایضاً

شرمگاہ پر امین رہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: جنابت کا غسل بھی امانت ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے دین میں سے اس کے علاوہ کسی اور امر پر امین نہیں بنایا۔

حدیث مرفوع میں ہے: "امانت سے مراد نماز ہے اگر تو چاہے تو کہے میں نے نماز پڑھ لی ہے اگر تو چاہے تو تو کہے میں نے نماز نہیں پڑھی۔ روزے اور غسل جنابت بھی اسی طرح ہے"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء میں سب سے پہلے اس کی شرمگاہ بنائی۔ فرمایا: یہ امانت ہے جو میں تجھے ودیعت کرتا ہوں۔ اسے استعمال نہ کر مگر حق کے ساتھ۔ اگر تو نے اس کی حفاظت کی تو یہ تیری حفاظت کرے گی۔ شرمگاہ امانت ہے، کان امانت ہے، آنکھ امانت ہے، زبان امانت ہے، بطن امانت ہے، ہاتھ امانت ہے، پاؤں امانت ہے۔ جس میں صفت امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔

سدی نے کہا: اس سے مراد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے قابیل کو اپنی اولاد اور اہل پر امین بنایا۔ قابیل کی حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ یہ خیانت تھی کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: اے آدم! کیا تو جانتا ہے کہ زمین میں میرا ایک گھر ہے؟ عرض کی: اے میرے اللہ! نہیں۔ فرمایا: میرا مکہ مکرمہ میں ایک گھر ہے۔ اس میں آؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے کہا: امانت کے طور پر میرے بچے کی حفاظت کرو تو اس نے انکار کر دیا۔ زمین سے کہا: امانت کے طور پر میرے بچے کی حفاظت کیجئے۔ اس نے انکار کر دیا۔ پہاڑوں سے فرمایا: انہوں نے بھی انکار کر دیا، قابیل سے فرمایا: امانت کے طور پر میرے بچے کی حفاظت کرو۔ قابیل نے کہا: ٹھیک ہے آپ جائیں، آپ واپس آئیں تو آپ بچے کو پائیں گے جس طرح وہ تجھے خوش کرے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام لوٹے تو اسے پایا کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا کا یہی مقصود ہے۔

معمر نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ امانت آسمان، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئی انہوں نے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ انہیں کہا گیا: اگر تو نے اچھا کیا تو تجھے جزا دی جائے گی اور اگر تو نے برائی کی تو تجھے سزا دی جائے گی۔ انہوں نے کہا: نہیں (2)۔ مجاہد نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو امانت اس پر پیش کی حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: وہ کیا ہے؟ فرمایا: اگر تو اچھا کرے گا تو میں تجھے اجر دوں گا اور اگر تو برا عمل کرے گا تو میں تجھے عذاب دوں گا۔ عرض کی: اے میرے رب! میں نے اس کو اٹھالیا ہے۔

مجاہد نے کہا: جس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے امانت اٹھائی تو اتنا وقت بھی نہیں گزرا تھا کہ انہیں جنت سے نکال دیا گیا جتنا وقت ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان ہوتا ہے۔ علی بن طلحہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں (3)، اللہ تعالیٰ نے جن کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ اگر وہ

1۔ ... جلد 4، صفحہ 402
2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 312
3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 311

فرائض کو ادا کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں بدلہ عطا فرمائے گا اگر وہ ضائع کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا۔ انہوں نے معصیت کے بغیر اسے ناپسند کیا اور ڈر گئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تعظیم کی خاطر انہوں نے ایسا کیا کہ وہ اس کو بجا نہ لا سکیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اسے قبول کر لیا جو کچھ اس میں تھا۔

نحاس نے کہا: یہ ایسا قول ہے جس پر اہل تفسیر کا اتفاق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت آدم علیہ السلام پر وفات کا وقت آیا تو آپ نے ارادہ کیا کہ امانت کو مخلوق پر پیش کریں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے امانت پیش کر دی تو آپ کے بیٹوں کے سوا کسی نے بھی اس کو قبول نہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین، پہاڑوں اور مخلوق میں اپنی ربوبیت پر دلائل کی صورت میں ودیعت کی ہے کہ وہ ان دلائل کو ظاہر کریں تو انہوں نے ان کو ظاہر کر دیا مگر انسان نے ان دلائل کو چھپایا اور ان کا انکار کر دیا؛ یہ قول بعض متکلمین کا ہے۔

عَرَضْنَا کا معنی اظہرنا ہے جس طرح تو کہتا ہے: عرضت الجاریۃ علی البیع میں نے لونڈی کو بیع کے لیے پیش کیا۔ معنی ہے ہم نے امانت اور اس کے ضیاع کو اہل آسمان اور اہل زمین جو فرشتے، انسان اور جن ہیں ان پر پیش کیا۔ **فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا** تو انہوں نے اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ** (العنکبوت: 13) **وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ** حضرت حسن بصری نے کہا: الانسان سے مراد کافر اور منافق ہے[1]۔ **اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا** وہ اپنی ذات پر ظلم کرنے والا اور اپنے رب سے جاہل تھا۔ اس تعبیر کی بنا پر جواب مجازاً ہوگا، جس طرح **وَ سْـَٔلِ الْقَرْيَةَ** (یوسف: 82) ہے۔ اس میں ایک جواب بھی ہے کہ یہ کلام اپنے حقیقی معنی میں ہو کہ واقعی امانت اور اس پر ثواب و عقاب کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ان کے لیے ظاہر کیا ہو۔ انہوں نے اس کا بوجھ نہ اٹھایا اور ڈر گئے اور عرض کی: ہم ثواب اور عقاب کو نہیں چاہتے۔ ہر کوئی کہہ رہا تھا: ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے، ہم تیرے حکم کو سنتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا اور جس کے لیے انہیں مسخر کیا گیا؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا۔

علماء نے کہا: یہ بات تو معلوم ہے کہ جمادات نہ سنتے ہیں اور نہ ہی جواب دیتے ہیں۔ دوسرے قول کی بنا پر ان میں زندگی کو مقدر کرنا ضروری ہے۔ یہ پیشی اختیاری تھی لازمی نہیں تھی۔ انسان پر پیشی لازمی تھی۔ قفال اور دوسرے علماء نے کہا: اس آیت میں پیشی ضرب المثل ہے۔ آسمان اور زمین اپنی بڑی جسامت کے باوجود اگر انہیں مکلف بنانا جائز ہوتا تو انہیں شریعتوں کا مکلف بنا دیا جاتا کیونکہ ان میں ثواب اور عقاب ہے، یعنی مکلف بنانا ایسا امر ہے جس کا حق یہ ہے کہ اس سے آسمان، زمین اور پہاڑ عاجز آ گئے۔ انسان کو اس کا مکلف بنایا گیا اگر یہ سمجھتا تو یہ ظلوم جہول ہوتا، یہ ارشاد اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ** (الحشر: 21) پھر فرمایا: **وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ**۔

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 314

قفال نے کہا: جب یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرب الامثال بیان فرماتا ہے اور ہم پر ایسی خبر وارد ہو جو ضرب المثل کے طور پر آتی ہے تو اس کا حمل ضرب المثل پر کرنا ضروری ہے۔

ایک قوم نے کہا: آیت مجاز میں سے ہے۔ جب ہم نے امانت کے بوجھ کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی قوت کے ساتھ موازنہ کیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر یہ چیزیں کلام کرتیں تو انکار کر دیتیں اور ڈر جاتیں۔ اس معنی کو اپنے اس ارشاد کے ساتھ تعبیر کیا: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ یہ اسی طرح ہے جس طرح تیرا قول ہے: عرضت الحمل علی البعیر فاباہ میں نے بوجھ اونٹ پر پیش کیا تو اس نے اٹھانے سے انکار کر دیا، جب کہ تو یہ ارادہ رکھتا ہو کہ تو نے اس کی قوت کو سامان کے بوجھ کے ساتھ موازنہ کیا تو تو نے دیکھا کہ وہ اس سے قاصر ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَرَضْنَا یہ عارضنا الامانة بالسموات والارض والجبال کے معنی میں ہے۔ یہ اشیاء امانت سے ضعیف ہو گئیں۔ اور امانت اپنے ثقل کی وجہ سے ان پر راجح ہو گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر امانت کا پیش کرنا حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد پر خلیفہ بنایا اور زمین میں جو بھی جانور، پرندے اور وحشی ہیں سب پر ان کو مسلط کر دیا اور ان سے عہد لیا جس میں انہیں حکم دیا، انہیں منع کیا، کچھ چیزوں کو حرام کیا اور کچھ چیزوں کو حلال کیا حضرت آدم علیہ السلام نے اسے قبول تو کر لیا اور ہمیشہ اس پر عامل رہے جب ان کی وفات کا وقت آیا اللہ تعالیٰ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ آگاہ کریں کس کو وہ بعد میں خلیفہ بنائے گا اور کس کو امانت سپرد کر دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس امانت کو اسی شرط کے ساتھ آسمانوں پر پیش کرے جو شرط اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ لگائی ہے اگر اطاعت کرے تو ثواب حاصل ہو گا اگر نافرمانی کرے گا تو سزا ملے گی تو انہوں نے عذاب کے ڈر سے اسے قبول کرنے سے انکار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ وہ امانت زمین پر پیش کرے اور تمام پہاڑوں پر پیش کرے تو دونوں نے انکار کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس امانت کو اپنی اولاد پر پیش کرے تو حضرت آدم علیہ السلام نے امانت اپنی اولاد پر پیش کی تو اولاد نے شرط کے ساتھ اسے قبول کر لیا، ابن آدم اس چیز سے خوفزدہ نہ ہوا جس چیز سے آسمان، زمین اور پہاڑ خوفزدہ ہوئے۔ وہ اپنی ذات پر ظلم کرنے والا اور اپنے رب کے لیے جس امر کو اپنا قلادہ بنانے والا تھا اس کے انجام سے جاہل تھا۔

ترمذی حکیم ابو عبد اللہ محمد بن علی نے کہا: میں اس قول کرنے والے پر تعجب کا اظہار کرتا ہوں، وہ یہ قصہ کہاں سے لے آیا۔ اگر ہم آثار کو دیکھیں تو اس نے جو کہا تھا ہم اس کے برعکس پاتے ہیں۔ اگر ہم اس کے ظاہر کو دیکھیں تو ہم اسے اس کے برعکس پاتے ہیں جو اس نے کہا، اگر ہم اس کے باطن کو دیکھیں تو جو اس نے کہا اس سے بہت ہی بعید پاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امانت کے ذکر کو مکرر ذکر کیا اور یہ ذکر نہیں کیا کہ امانت کیا ہے مگر وہ اپنے مقام میں یہ اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں جو کچھ ہے اس پر مسلط کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے عہد لیا ہے جس میں امر، نہی، حلت اور حرمت کے احکام ہیں۔ حضرت آدم علیہ اسلام نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ اسے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کرے۔ آسمان، زمین اور پہاڑ

حلال وحرام سے کیا کریں گے؟ چوپائیوں، پرندوں اور وحشیوں پر اس کے تسلط کا کیا معنی ہے؟ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس امانت کو اپنی اولاد پر پیش کیا اس نے اسے قبول کیا اور مابعد کی ذریت پر اسے نافذ کر دیا؟

قرآن کریم میں واقعہ کی ابتدا میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا یہاں تک کہ ان سے انکار ظاہر ہوا۔ پھر اس کا ذکر کیا کہ انسان نے اس کو اٹھالیا، یعنی اپنی جانب سے اس کو اٹھالیا نہ کہ اس پر اسے لازم کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ظلوما کا نام دیا کیونکہ وہ اپنی ذات پر ظلم کرنے والا ہے اور جھولا نام دیا کیونکہ جو اس امانت میں تھا اس سے وہ ناواقف تھا۔ جہاں تک ان آثار کا تعلق ہے جو اس کے برعکس ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ میرے والد فیض بن فضل کوفی سے وہ سری بن اسماعیل سے وہ عامر شعبی سے وہ مسروق سے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے امانت کو پیدا کیا تو اسے چٹان سے تشبیہ دی پھر جہاں چاہا اسے رکھ دیا۔ پھر اس کو اٹھانے کے لیے آسمان، زمین اور پہاڑوں کو دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: یہ امانت ہے اس پر ثواب وعقاب ہے۔ انہوں نے عرض کی: اے میرے رب! ہم میں اس کے اٹھانے کی کوئی طاقت نہیں۔ انسان دعوت دیئے جانے سے قبل ہی متوجہ ہوا اس نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے کہا: تم کیوں رک گئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہمارے رب نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کو اٹھالیں ہم اس سے ڈر گئے ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

انسان نے اپنے ہاتھ سے اسے ہلایا اور کہا: اللہ کی قسم! اگر میں چاہوں کہ میں اس کو اٹھاؤں تو میں اس کو اٹھا سکتا ہوں۔ انسان نے اس کو اٹھایا یہاں تک کہ اسے اپنے گھٹنوں تک لے گیا، پھر اسے رکھ دیا۔ عرض کی: اللہ کی قسم! میں چاہوں کہ میں اس سے زائد اٹھاؤں تو میں اس کو مزید اٹھا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا: اٹھاؤ۔ انسان نے اس کو اٹھایا یہاں تک کہ اسے ڈھاکوں تک پہنچایا۔ پھر اسے رکھ دیا کہا: اللہ کی قسم! اگر میں چاہوں کہ میں اس کو مزید اٹھاؤں تو میں اس کو مزید اٹھا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا: اٹھاؤ۔ انسان نے اس کو اٹھایا یہاں تک کہ اسے اپنے کندھے پر رکھا۔ جب انسان اسے رکھنے کے لیے جھکا تو انہوں نے کہا: اپنی جگہ پر ہی رہو۔ یہ امانت ہے اس پر ثواب بھی ہے اور عقاب بھی ہے۔ ہمارے رب نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس کو اٹھائیں تو ہم اس سے ڈر گئے، تو نے اس کو اٹھالیا جب کہ تجھے اس کی دعوت بھی نہیں دی گئی تھی۔ اب یہ تیری گردن میں ہے اور قیامت تک تیری اولاد کی گردن پر ہے۔ بے شک تو ظلوم وجہول ہے۔ اور کئی واقعات صحابہ اور تابعین سے نقل کیے جن میں سے اکثر کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اس کے حقوق بجالانے کو لازم کرلیا وہ اس میں اپنے آپ پر ظلم کرنے والا تھا۔ قتادہ نے کہا: وہ امانت کے بارے میں ناواقف تھا کہ اس میں کیا کچھ داخل ہے: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اپنے رب کے بارے میں ناواقف ہے۔ کہا: حَمَلَهَا کا معنی ہے اس میں خیانت کی۔

زجاج نے کہا: اس تاویل کی بنا پر یہ آیت کافر، منافق اور نافرمانوں کے بارے میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ان کے اصحاب، ضحاک وغیرہ نے کہا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں آپ نے امانت اٹھائی ایک دن بھی مکمل نہ ہوا

یہاں تک کہ ایسی نافرمانی کی جس نے اسے جنت سے نکال دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: کیا تو اس امانت کو اٹھاتا ہے جو کچھ اس میں ہے۔ عرض کی: اس میں کیا ہے؟ فرمایا: اگر تو نے اچھائی کی تو تجھے جزا دی جائے گی اگر تو نے برائی کی تو تجھے سزا دی جائے گی۔ عرض کی: اس میں جو کچھ ہے میں اسے اپنے کانوں اور کندھوں کے درمیان میں اٹھالیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ارشاد فرمایا: میں تیری مدد کروں گا، میں نے تیری آنکھ کے لیے حجاب بنایا ہے اسے اس کے لیے، بند رکھنا جو تیرے لیے حلال نہ ہو اور تیری شرمگاہ کے لیے لباس بنایا ہے اسے نہ کھولنا مگر اسی پر جو میں نے تیرے لیے حلال کیا ہے۔

ایک قوم نے کہا: انسان سے مراد تمام نوع ہے۔ یہ اچھی تعبیر ہے کہ امانت میں عموم پایا جاتا ہے، جس طرح ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ سدی نے کہا: انسان سے مراد قابیل ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ، لِيُعَذِّبَ کا لام حمل کے متعلق ہے۔ اس پر لازم کیا تا کہ عاصی کو عذاب دے اور مطیع کو ثواب دے۔ یہ لام تعلیل ہے، کیونکہ عذاب امانت اٹھانے کا نتیجہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عرضنا کے متعلق ہے یعنی ہم نے تمام پر امانت کو پیش کیا پھر ہم نے انسان کو اس کا مقلد بنا دیا تا کہ مشرک کا شرک اور منافق کا نفاق ظاہر ہو تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے اور مومن کا ایمان ظاہر ہو تا کہ اللہ تعالیٰ اسے بدلہ دے۔

وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ حضرت حسن بصری کی قراءت رفع کے ساتھ ہے یہ پہلی کلام سے الگ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر حال میں ان پر نظر کرم کرے گا۔

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا، رَّحِيْمًا یہ کان کی خبر کے بعد خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ غفور کی صفت ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ضمیر سے حال ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی صحیح امر کو جانتا ہے۔